# جھلک

معین نظامی

بھلوال

Marfat.com

# جھلک

Marfat.com

Marfat.com

بزمِ وزیر معظم آباد کی
عید الفطر، ۱۴۰۳ھ

خصوصی و امتیازی پیشکش
۱۲- جولائی ، ۱۹۸۳ء

838

وزیرِ بے نظیر نمبر

# جھلک

معین نظامی

سونی ٹریڈرز
نزد حبیب بنک
بھلوال شہر

Marfat.com

جملہ حقوق محفوظ

جھلک (وزیرِ بے نظیر نمبر)

۱۹۸۳ء

53584

# شاہکار خطاطی

سید انور حسین نفیس رقم ۔ صوفی خورشید عالم مخمور سدیدی ۔ حافظ محمد یوسف سدیدی

ناشر ——— سونی ٹریڈرز بھلوال

ملنے کا پتہ

(۱) المعارف ، داتا گنج بخش روڈ ——— لاہور
(۲) رضا پبلی کیشنز ، مین بازار ، داتا دربار ——— لاہور
(۳) المنظر ہارڈ ویئر پشاور موڑ ——— اسلام آباد
(۴) سونی ٹریڈرز ، نزد حبیب بنک چک نمبر ۸ ۔ بھلوال شہر

Marfat.com

اللہ جمیل یحب الجمال

# پیشکش

بحضورِ

شہر یارِ جمال، پروردگارِ کمال ○ شیخ محمد وزیر نظامی دام حسنہ جمالہ

بتقریب

عید الفطر، ۱۴۰۳ھ —— ۱۲۔ جولائی ۸۳ء

گر قبول افتد زہے عز و شرف

●

منجانب : بزمِ وزیر —— معظم آباد، تحصیل بھلوال ضلع سرگودھا

●

اوراقِ دل پہ حُسن کے شر شکوں کے سُرخ پھول
لایا ہوں نذرِ لعلِ بدخشاں تیرے لیے

Marfat.com

# عید مبارک

ہلالِ عید کنارِ اُفق سے اُبھرا ہے
قبول ہو تمہیں اے میکشو ہمارا سلام
سُنو سُنو کہ خمستاں میں برسرِ مینار
بلند بانگ ہے پیرِ مغاں کا تازہ پیام
ہزار شکر کہ ٹوٹی ہے مُہرِ میخانہ
صلائے سرخوشی اے تشنگانِ ماہِ صیام
بیادِ خواجۂ عشاق و مرشدِ رنداں
بنامِ حافظِ شیراز اور عمرِ خیام
پیو وہ آج کہ بنضِ تمیز چھٹ جائے
سمجھ سکے نہ سرِ مُو کوئی حلال و حرام
سُنو نہ آج کی شب جز سرودِ کیف آور
کرو نہ سجدے بجز لولیانِ فتنہ خرام
نمازِ عید کا یوں اہتمام کر ساقی
کہ صف کشیدہ ہوں صوفی، صراحی پیش امام
شرابِ سرخ کے جلوے سے مثلِ رقصِ کلیم
کریں گے اہلِ نظر سجدہ در رکوع و قیام
دُعا کرو یہی رندو کہ عمر یوں ہی کٹے
قدح بدست و بتے در برو زمانہ بکام

غلام نظام الدین

Marfat.com

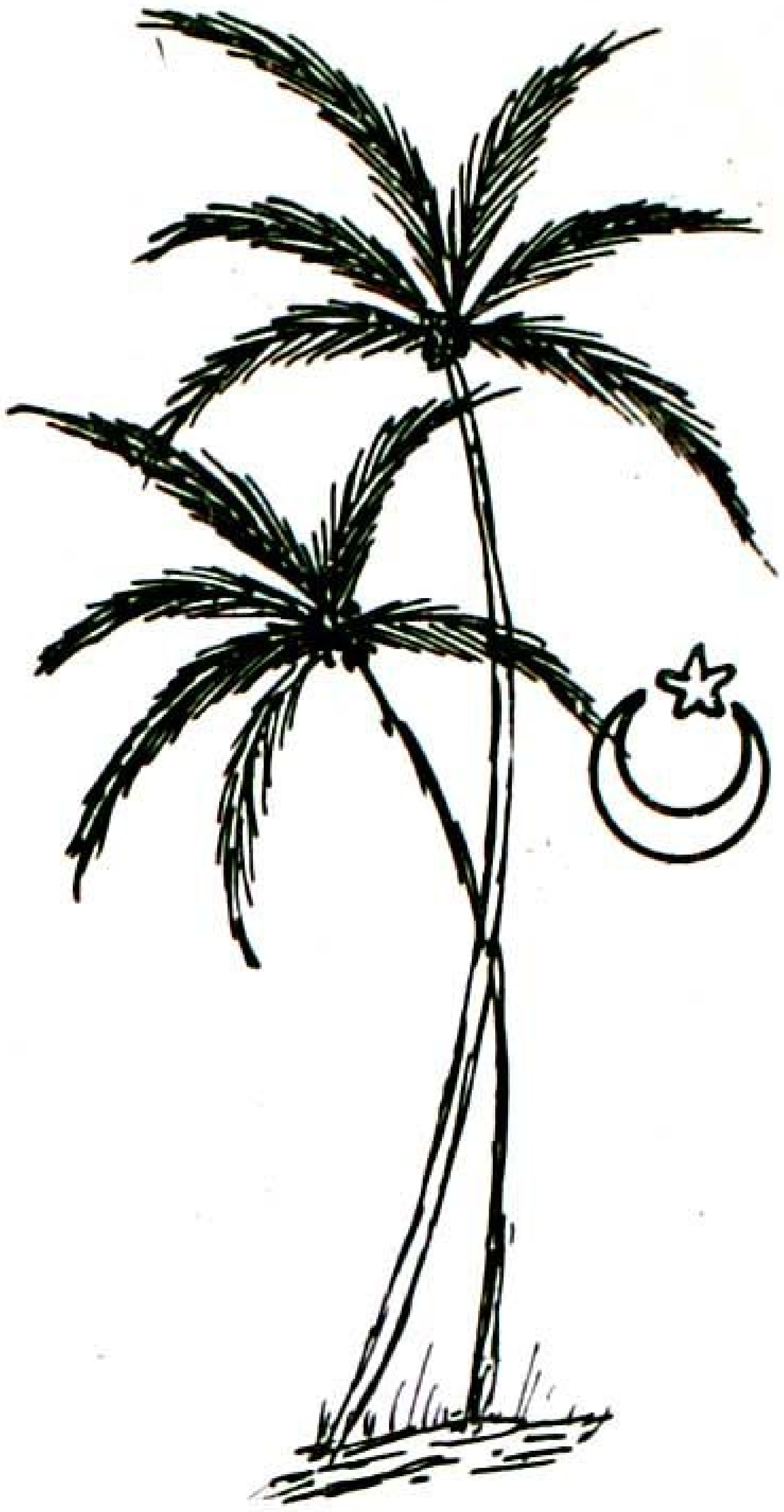

# عید مبارک

قبول ہو

Marfat.com

# بحضورِ وزیر

بے شک وزیر صاحبِ مالِ کثیر ہے
لیکن خدا گواہ کہ دل کا فقیر ہے
اُس کو "خیالِ خاطرِ احباب" ہے بہت
اُس کا دلِ گداز محبت پذیر ہے
ناکام خواہشوں کو سہارا اُسی کا ہے
برباد حسرتوں کا وہی دستگیر ہے
اک بوریا نشین کے فیضِ نگاہ سے
اس پر عیاں مآلِ سریرِ حریر ہے

معین نظامی

Marfat.com

# اداریہ

## اللہ جمیل یحب الجمال

**جمالِ وزیر ـــــ ورائے سخن حقائق کے سلسلۂ عالیہ کی ایک اہم کڑی ہے۔**

رفعِ اشتباہ:

"وزیرِ بے نظیر نمبر" کی فضیلت سے شرف اندوز ہونے والا مجلّہ ـــــ جھلک ـــــ وزیر نویسوں کی محدود النظری کی جھلک تو ہو سکتا ہے، لیکن اسے وزیر کے جمالِ باکمال کی محض ادنیٰ سی جھلک بھی ہرگز ہرگز قرار نہیں دیا جا سکتا:

ترا چنانکہ توئی کے توان نظر کردن
بقدرِ ہمتِ خود ہر کسے کند ادراک

وضاحت:

وزیر ـــــ خدا کی شائستہ ترین تخلیقات کا ایک بدیع المنظر نمونہ ہے۔ ہر زمانے میں حُسنِ خود آرا انسانی پیکروں سے اپنی جھلک دکھا دکھا کر مشاہدہ وخیال کی ازلی تشنگی کے لیے تسکین کا سامان فراہم کرتا رہا ہے۔

بیسویں صدی وزیر کی صدی ہے۔ بیسویں صدی کے رُبعِ آخر میں وزیر کے حوالے کے بغیر حُسن کی کوئی بھی بات محض مضحکہ خیز ہے، جیسے دعویٰ بغیر ثبوت کے اور ثبوت بغیر دلیل کے ہو! وزیر سے صرفِ نظر کرنا ـــــ جمالیات کی تاریخ سے، اس کا نہایت ہی زریں باب نوچ لینے کے برابر ہے۔

کہنے والوں نے وزیر پر بہت کچھ کہا ہے۔ اس تمام بے شمار انبار میں سے، چند نمونے

Marfat.com

مجلہ جھلک کی اشاعتِ ہذا میں دے دیے گئے ہیں۔ وزیرِ حسن بسیط کا ایک جامع الصفات اور جاذب القلوب مظہر ہے۔ اس کے بارے میں جتنا کچھ بھی کہا گیا ہے یا آیندہ کہا جائے گا ——— اس سب کے بارے میں "بزمِ وزیر" کی ایک ہی حتمی رائے ہے کہ "بات تشنگی سے شروع کر کے، بالآخر نارسائی تک ہی پہنچائی گئی ہے۔"

نہ حسنش غایتے دارد، نہ سعدی را سخن پایان
بمیرد تشنہ مستسقی و دریا ہمچنان باقی۔

شکر:

جناب خان نیاز محمد خان کی سعی و اہتمام اور معین نظامی کا حسنِ انتظام "جھلک" کو معرضِ اظہار میں لانے کا سبب ہیں۔

لہٰذا "بزمِ وزیر" دونوں حضرات کی شکر گزار ہے۔

منجانب:

بزمِ وزیر ——— معظّم آباد

١٢ر جولائی، ١٩٨٣ء + عید الفطر ١٤٠٣ھ

Marfat.com

آسمان بار امانت نتوانست کشید

کتبه خورشید عالم خورشید رقم

قرعهٔ فال بنام من دیوانه زدند

حافظ شیرازی

۱۴۰۳

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نہیں حسرت زیادہ جینے کی
زندگی چاہیے قرینے کی

صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم

۱۲ ذوالقعدہ ۱۳۸۶ ہجری

مفت قلزم کے موتیوں سے گراں
بوند اک کاتب کے پسینے کی

بپاس خاطر محب محترم صاحبزادہ غلام نظام الدین مرولوی
راقم درماندہ قلم نام نہاد نفیس رقم

Marfat.com

# الوزیرؒ

سیلِ کثرت میں سنبھلنے کا سفینہ تم ہو
بامِ وحدت پہ جو لے جائے وہ زینہ تم ہو

میرے خواجہ، مرے مَولا، مرے مخدوم وزیر
حُسنِ مُطلق کو سمجھنے کا قرینہ تم ہو

خیر و خوبی میں نمایاں ہو تم اتنے کہ وزیر
لائقِ محفلِ سُلطانِ مدینہ تم ہو

کل یومٍ ھو فی شان کا جلوہ تم سے
کنت کنزًا میں چُھپا اصلی خزینہ تم ہو

وہ سکُوں تم نے دیا مجھ کو، کہ میرے نزدیک
حاصلِ معنیِٔ آیاتِ سکینہ تم ہو

جسم و جاں کی بھی جُدائی ہے گوارا لیکن
ایک لمحہ بھی جُدا مجھ سے کبھی نہ تم ہو

نسبتِ حضرتِ مخمورؔ سدیدی کے سبب
سونے جتنے بھی ہیں، اُن سب میں نگینہ تم ہو

اخترِؔ طالع کبھی یُوں نہ موافق ٹھہرا
کہ ہو گھر میرا، جہاں ماہِ شبینہ تم ہو

غلام نظام الدین

۱۰ جمادی الاخریٰ ۱۴۰۳ھ
۲۶ مارچ ۱۹۸۳ء

Marfat.com

# ایک گیت

— از مخمور سعیدی لاہور —

چھائی ہیں گھنگھور گھٹائیں      چلتی ہیں سرمست ہوائیں
برکھا کی رُت آگ لگائے
ساون آیا، پی نہیں آئے

کوئل کوکو کوکے بن میں!      ہوک سی اُٹھے میرے من میں
مینہا اک آتش برسائے
ساون آیا، پی نہیں آئے

چھم چھم چھم چھم مینہا برسے      کڑک کڑک کر بجلی چمکے
نازک منوا سہما جائے
ساون آیا، پی نہیں آئے

پاپی پپیہا پی پی بولے      من کی نیا ڈگمگ ڈولے
رہ رہ اُن کی یاد ستائے
ساون آیا، پی نہیں آئے

آموں پر کوئلیا کوکے      ہرے ہوئے سب جنگل سوکھے
پھول کھلے گلشن مہکائے
ساون آیا، پی نہیں آئے

مل سکھیاں ناچیں گائیں      جھولے جھولیں من بہلائیں
موہے برہا اگن جلائے
ساون آیا، پی نہیں آئے

کیا جانیں کس دیس سدھارے      پھوٹ گئے ہیں لیکھ ہمارے
کوئی اُن کا کیا کھوج لگائے
ساون آیا، پی نہیں آئے

اکھیاں پل پل راہ دیکھت ہیں      نینن میں آنسو چھلکت ہیں!
جی گھبرائے من کلپائے،
ساون آیا، پی نہیں آئے

۱۳۴۸ھ

چھم چھم چھم چھم چھم اکھیاں برسیں پی کی دید کو نیناں ترسیں
برہا کا غم من کو کھائے
ساون آیا، پی نہیں آئے

من کا شیشہ ٹوٹ گیا ہے اپنا نصیبہ پھوٹ گیا ہے
قسمت نے کیا دن ہیں دکھائے
ساون آیا، پی نہیں آئے

دل پر کاری چوٹ لگی ہے من میں غم کی جوت جگی ہے
سینے پر سو زخم ہوں کھائے
ساون آیا، پی نہیں آئے

تجھ بن کیسے رین گزاریں بیت چلیں جوبن کی بہاریں
ظالم فرقت من برمائے
ساون آیا، پی نہیں آئے

رسیا جوبن بھری جوانی پاس نہیں ہیں مورے جانی!
ناگن سیجا ڈس ڈس کھائے
ساون آیا، پی نہیں آئے

چھتیاں موری دھک دھک دھڑکیں اکھیاں رہ رہ کر ہیں پھڑکیں
مست جوانی بیتت جائے
ساون آیا، پی نہیں آئے

ابھرا سینہ رس گئی چھتیاں جوبن رس میں بس گئی چھتیاں
بھری جوانی چھلک نہ جائے
ساون آیا، پی نہیں آئے

پی بن سب سنسار ہے سونا من سونا گھر بار ہے سونا
سونی نگری آن بساؤ
آؤ مورے پیتم آؤ

۱۹۵۸ء

# فردوسِ رنگ و بُو

عزیز تریں • شیخ محمد وزیر سوفی (دام حسنہ وجمالہ)

ساقیانِ نمیل و جامِ شراب
دے رہے ہیں صلائے "بادۂ ناب"
تیرے عارض — سپید و سُرخ گلاب
ناصیہ — شیریں چاندنی کا جواب
اس ترے حُسن کا کہاں ہے جواب؟
رشکِ خورشید، غیرتِ مہتاب
فصلِ گل کی حسین شہزادی
تجھ کو پہنا رہی ہے تاجِ گُلاب!
دستبردِ خزاں سے، تابہ ابد
رہے مامُون تیرا عہدِ شباب!
حُسن کو تیرے دے رہے ہیں خراج
کہکشاں، آفتاب اور مہتاب
تیری ہلکی سی مُسکراہٹ پر
ہے نچھاور تمام فصلِ گُلاب
خود ہی ساقی نے جام روک لیا
مَیں تو کہتا رہا شراب! شراب!
شاخ سے بھی کہیں ہے تازہ تریں
تیرے ہاتھوں میں یہ شگفتہ گلاب
تیری آمد سے زیرِ مرقد بھی!
جی اُٹھے گا مرا دلِ بیتاب
تیرے رستے کا ایک اک ذرہ
بن گیا آفتابِ عالمتاب
سُنبلیں زُلف — آیۂ "واللیل"
چشمِ مخمور — گویا جامِ شراب

Marfat.com

ہے غنیمت یہ صحبتِ یاراں

زیست اپنی ہے اب تو پابہ رکاب
اس میں "بدنامیوں کے دھبے" ہیں
نہ پڑھو میری زندگی کی کتاب

پھول کی پتیاں ہیں ، تیرے لب
عارضِ دلنواز رشکِ گلاب
لالہ زاروں میں آگ لگ جائے
وہ اُٹھا دے اگر ذرا سی نقاب

تیرے انفاس عطر پرور سے
کھل گئے رُوح کے چمن میں گلاب
کسی پہلو نہیں قرار اسے
دل ہمارا ہے یا کوئی سیماب

شیشۂ توبہ چور چور ہوا
یوں دیا مغبچے نے جامِ شراب
کوئی محشر بپا کرے گا ضرور
فتنہ انگیز! تیرا عہدِ شباب

عارض و لب سے ہیں ترے نادم
لعل و یاقوت ، یاسمین و گلاب
کس نے زُلفوں کے پیچ کھولے ہیں
آ رہی ہے کدھر سے بوئے گلاب

تُو نہیں رُو برو تو ہیں بے کیف
یہ شراب و کباب ، چنگ و رباب
تجھ کو سوگند ان گھٹاؤں کی!
ساقیا ایک اور جامِ شراب

آج مخمور کس کی آمد سے؟ دل کھلا جا رہا ہے مثلِ گلاب

بشکریہ : غلام نظام الدین

بروز اتوار ۷ ستمبر ۱۹۷۲ء

Marfat.com

# اِلتجائے گفتگو

از خاکپائے اصفیاء مخمور نظامی معظمی

قفلِ دہن کو کھولو
لِللہ منہ سے بولو

رنگینیِ بیاں سے
محفل میں رنگ گھولو

میزان میں زباں کی
گوہر سخن کے تولو

حُسنِ بیاں سے کچھ تو
معنی کے باب کھولو

کچھ تو سخنوری کے
مجلس میں بیج بولو

اے جانِ من خدا را
کچھ تو زباں سے بولو

یہ خامشی تمہاری
اِک تیغ ہے دودھاری

Marfat.com

قافیہ اندیشم و دلدارِ من
گویدم مندیش جز دیدارِ من

عزیزِ گرامی محمّد وزیر
فروغِ مہ و آفتابِ مُنیر

شرافت مآب و لطافت پناہ
نزاکت سرشت و نفاست خمیر

جمالِ شمائل ، کمالِ خصائل
زہے دلفریب و زہے دلپذیر

صبیح و ملیح و حسین و جمیل
فقید المثال و عدیم النّظیر

پراگندہ زُلف و شکر خندہ لب
درخشندہ سیما و روشن ضمیر

خوشا زُلفِ مُشکیں شکن در شکن
بہر حلقہ صد لشکرِ دل اسیر

فسونِ محبّت سے سرشار و بیخود
زمین و زمان و نظامِ فقیر،

○

تہنیتِ عیدُالفطر
۱۳۹۱ ہجری القدسی بمطابق
۲۱ رنومبر ۱۹۷۱ء

بنظرِ عزیز
شیخ محمّد وزیر سلمہٗ
نظام الدین
صاحبزادہ علامہ
پیشکردہ:- صاحبزادہ
مولانا نیاز گرجاکھی

# حلقہ در گردنم افگندہ دوست

نتیجۂ فکر: پروفیسر قمر سلیم چودھری

پیش کردہ: غلام نظام الدین مورخہ: منگل ۵ مارچ ۱۹۷۴ء

جہاں تیرے جلووں کی تنویر دیکھی وہاں سر نگوں ہم نے تقدیر دیکھی

ادھورا تھا سپنا جو برسوں سے اپنا لبِ جو اُسی کی ہے تعبیر دیکھی

تماشائے حُسنِ ازل تھا سراسر شبِ ماہ تیری جو تصویر دیکھی

رگِ سنگ میں رُوح جو پھونک ڈالے دمِ عشق ہی میں وُہ تاثیر دیکھی

کسی نے وفاؤں کا اِک شہر پایا جو گردن کبھی زیرِ شمشیر دیکھی

کہیں ہے علاجِ جنوں سنگ و آہن کہیں اُن کی زُلفوں کی زنجیر دیکھی

قمر میرا ایمان خواجہ تراشی
یہی اپنے آبا کی جاگیر دیکھی

۵ مارچ ۱۹۷۴ء

# تہنیت

## بمناسبتِ جشنِ بیعت و خلافت

مورخہ: ۱۰ رجمادی الاُخری ۱۳۹۳ھ محمدی —— ۱۲ رجولائی ۱۹۷۳ء، جمعرات ۱۲ بجے دن،

بمقام مرولہ شریف

○

تیری نظروں کا جو شکار ہُوئے — عاشقی میں وہ کامگار ہُوئے

شوق میں ہم نے اپنے دل پہ سہے — تیرے غمزوں کے جتنے وار ہُوئے

تیری آمد سے آج "جانِ غزل" — پھول گلشن کے پُر بہار ہُوئے

ہم تو اے میکشو! بجائے جام — چشمِ "ساقی" سے بادہ خوار ہُوئے

اُن کی آمد سے باغِ عالم کے — راستے رُو کشِ بہار ہُوئے

ہو گئے وُہ حقیقتاً آزاد — جو اسیرِ کمندِ یار ہُوئے

اُن کی چوکھٹ کو چُومنے والے — بزمِ عالم کے تاجدار ہُوئے

جو ندامت میں آنکھ سے ٹپکے — اشک وُہ دُرِّ شاہوار ہُوئے

اُن کے انفاسِ عطر آگیں سے — حَرَم و دَیر مُشکبار ہُوئے

تیری محفل میں بیٹھنے والے — رہنمایانِ روزگار ہُوئے

موسمِ گل کے آتے ہی مخمور

سب گریبان تار تار ہُوئے

---

بنظرِ عزیز: شیخ محمد وزیر سوتی

Marfat.com

# زودآمیز

عزیز ترین : شیخ محمد وزیر سونی (دام حُسنہ وجمالہ)

پیش کردہ غلام نظام الدین، بروز اتوار ۱۶ ستمبر ۱۹۷۳ء

دیکھ کر موسمِ شراب انگیز
آج صُوفی نے توڑ دی پرہیز

تیری آنکھوں میں رقص کرتی ہے
مستیِ بادۂ سرور انگیز

فتنہ انگیز ہے جوانی بھی،
سروِ قامت ہے گر قیامت خیز

دیدہ و دل ہیں منتظر کب سے
اے مرے شہریار! زُود آمیز

تیز کرتا ہے میرا جوشِ جنُوں
تیری زُلفوں کا سلسلہ نوخیز

میرے حق میں ہے گویا آبِ حیات
تیرے ہاتھوں کا جامِ زہر آمیز

کون محشر خرام گزرا ہے؟
ہر طرف ہے صدائے رستاخیز

چھوڑ کر تیرے در کی دربانی!
لُوں نہ ہرگز میں دولتِ پرویز

○

از جناب صوفی خورشید عالم خورشید قمر صاحب المتخلص بہ مخمور سدیدی مدظلہ (پاکستان)

53584

Marfat.com

# زود آمیز

عزیز ترین : شیخ محمد وزیر سونی (دام حسنہ وجمالہ)

دیکھ کر موسمِ شراب انگیز
ہو گیا چاک خرقۂ پرہیز

لے کے خوشبو کسی کے گیسو کی،
آ رہی ہے ہوائے عنبر بیز

تیری آنکھوں میں رقص کرتی ہے
مستیِ بادۂ سرور آمیز

کون فتنہ خرام گزرا ہے؟
ہر طرف ہے صدائے رستاخیز

فتنہ انگیز ہے جوانی بھی
سرو قامت ہے گر قیامت خیز

تیرے قدموں کی دھول پر قرباں
تاجِ فغفور ، دولتِ پرویز

چاک داماں ہیں پھول گلشن میں
دیکھ کر اس کا عارضِ گل ریز

تیز کرتا ہے میرا جوشِ جنوں
تیری زلفوں کا سلسلہ نوخیز

شہد گھلنے لگا سماعت میں،
ہو گئے آپ جب تکلم ریز

مجھ کو بے تیغ کر گئے مقتول
چشمِ چالاک غمزۂ خونریز

ساقیِ سیم تن ہے جام بکف
مطربِ خوشنوا ہے زمزمہ ریز

دستِ ساقی میں دیکھ کر مینا
ساغرِ توبہ ہو گیا لبریز

جامِ جم سے عزیز تر ہے مجھے
ساغرِ بادۂ جنوں انگیز

ساقی ! اس گلبدن کی آمد پر
اور اک دورِ مے گلاب آمیز

منتظر کب سے دیدۂ و دِل ہیں
اے مِرے شہریار زود آمیز

مجھ کو آبِ حیات ہے مخمور
اسکے ہاتھوں سے جامِ زہر آمیز

پیشکردہ
غلام نظام الدین
مرولوی

بروز جمعۃ المبارک
۲۸ رمضان المبارک ۱۳۹۳ھ
۲۶ اکتوبر سنہ ۱۹۷۳ء
(جمعۃ الوداع)

Marfat.com

شہریارِ جہاں پروردگارِ کاں سلطانِ کج کلاہ خداوندِ دولت و جاہ شیخ محمد وزیر سعودی دام مجدہ و جمالہ

زُلف پریشاں، اللہ اللہ
کُفر کا ساماں، اللہ اللہ

نرگسِ شہلا، ساغرِ صہبا
گیسُوئے پیچاں، اللہ اللہ

سلکِ جواہر، غیرتِ انجم
لعلِ بدخشاں، اللہ اللہ

حلقۂ گیسو رُودکشِ سُنبل
ناوکِ مژگاں، اللہ اللہ

چہرۂ انور، ماہِ منوّر
کاکُلِ پیچاں، اللہ اللہ

عارضِ گلگوں کی شادابی
رشکِ بہاراں، اللہ اللہ

رُوئے مُبارک شیشۂ حلَبی
چشمِ غزالاں، اللہ اللہ

چال میں میخانے سے رقصاں
حُسنِ خراماں، اللہ اللہ

قامتِ رعنا سے شرمندہ
سروِ بہاراں، اللہ اللہ

فصلِ بہاراں سے ایک اِک گل
چاک گریباں، اللہ اللہ

ایک جھلک مہتابِ رُخ کی
حاصلِ ایماں، اللہ اللہ

تیری ایک ادا پر، اپنا
لُٹ گیا ایماں، اللہ اللہ

تجھ کو پاکر، مَیں ہُوں اپنے
بخت پہ نازاں، اللہ اللہ

مُجھ کو تیرے در کی گدائی
تختِ سُلیماں، اللہ اللہ

ان کی آمد میرے گھر میں
اِتنا احساں، اللہ اللہ

مَیں مخمُور فقیر کمینہ
اور وُہ سلطاں، اللہ اللہ

بموقعہ عرس مرداں شریف

۲۲ جولائی ۱۹۷۲ء

Marfat.com

اللہ ★ بحضور وزیر

آؤ کہ آہِ سرد سے رُوح مری اداس ہے
درد کے ماروں کو مگر درد و الم ہی راس ہے

کالی گھٹا کا ہے محل تیرہ دیا کا ہے عمل
آئے گا اِس گھڑی کوئی تو دل کو کسی کی آس ہے

غلام نظام الدین

عید مبارک ۱۴۰۲ھ ۲۲/۷/۱۹۸۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# گُلِ سُرخ

## عزیز ترین شیخ محمّد وزیر سوَنی دام حُسنہٗ وجمالہ

---

کُھل گیا جب طرّۂ عنبر شکن — کِھل گئے ریحان و سُنبل کے چمن

اُف ! وہ تیری مرمریں بانہوں کا لوچ — قہر ہے نازک کمر کا بانکپن

آ گئی جب یادِ چشمِ مے فروش — مست ہو کر رہ گئے ہیں جان و تن

دے صُراحی بھر کے ، ساغر پہ نہ ٹال — ہے بلانوشی مری خُوئے کُہن

قامتِ رعنا کو تیرے دیکھ کر — جُھک گئے تعظیم کو سرو و سمن

عارض و گیسو کو دیتے ہیں خراج — سُنبل و ریحان و نسریں ، نسترن

دیکھ کر تیری جبیں کا سیلِ نُور — مُنہ چھپا لیتی ہے سُورج کی کرن

ہم بھی ہیں اُمیدوارِ گفتگو — اس طرف بھی ہو کبھی رُوئے سُخن

چُھپ سکیں کب عِشق کی چنگاریاں — جل رہا ہے سوزِ دل سے پیرہن

ہو گیا جِس راہ سے تیرا گزر — کِھل گئے نسرین و لالہ کے چمن

دے شرابِ ارغواں مخمور کو
صدقۂ گُلبارئ لعلِ یمن

بخطِ کرم گر : غلام نظام الدین

۲۰ جولائی ۲۰۰۴ء

Marfat.com

# گُلِ سُرخ

عزیز ترین شیخ محمد وزیر صوفی (دام حُسنہٗ وجمالہٗ)

## اِفتتاح کلام

نقابِ زُلف اُٹھاؤ بڑا اندھیرا ہے  
چراغِ حسن جلاؤ بڑا اندھیرا ہے

بہارِ لالہ و گل سے چمن ہے مشک فشاں  
شرابِ ناب پلاؤ بڑا اندھیرا ہے

## اَمّا بعد

دِل کے لیے ہیں لاکھ خرابی  
تیکھے چتون ، نین شرابی

روکشِ بُتاں ، غیرتِ بادہ  
چہرۂ گلگوں ، آنکھ شرابی

تازہ گُلابوں کو شرمائیں  
اس گُلرو کے ہونٹ گلابی

میخانے کی جان ہے گویا !  
اس مہوش کی آنکھ شرابی

قوسِ قزح ہے اس کی جوانی  
شعلۂ عُریاں ، رنگ شہابی

لعلِ بدخشاں کو شرمائے  
اس کے لبوں کا رنگ عنابی

اس کی زیارت حاصلِ ایماں  
میری تلاوت رُوئے کتابی

اِک دن ہم کو لے ڈُوبے گی  
شام و سحر کی یہ بے تابی

میرے لیے تو سیرابی ہے  
دشتِ جنوں میں یہ بے آبی

نرگس کے ساغر سے پی کر  
جُھوم رہے ہیں اس کے شرابی

عِشق میں ہے مخمور مُبارک!  
دِل کی تباہی اپنی خرابی

○

پیشکش کردہ  
غلام نظام الدین

منجانب  
جناب صوفی محمد وزیر صوفی لاہور

مؤرخہ ۲۲ دسمبر ۱۹۷۳ء

# بنظرِ عزیز

بتحریکِ فکر: صوفی محمود رشیدی

پیشکش: علامہ نظام الدین

شہریارِ جمال، پروردگارِ کمال، سلطانِ کجکلاہ، خداوندِ دل و نگاہ شیخ محمد وزیر سونی دام حسنہ وجمالہ

| | |
|---|---|
| زلفِ پریشاں ، اللہ اللہ | کُفر کا ساماں ، اللہ اللہ |
| نرگسِ شہلا ، ساغرِ صہبا | گیسُوئے پیچاں ، اللہ اللہ |
| سلکِ جواہر ، غیرتِ انجم | لعلِ بدخشاں ، اللہ اللہ |
| حلقۂ گیسو رُوکشِ سنبل | ناوکِ مژگاں ، اللہ اللہ |
| چہرۂ انور ، ماہِ منوّر | کاکلِ پیچاں ، اللہ اللہ |
| عارضِ گلگوں کی شادابی | رشکِ بہاراں ، اللہ اللہ |
| رُوئے مُبارک شیشۂ حلبی | چشمِ غزالاں ، اللہ اللہ |
| چال میں میخانے سے رقصاں | حُسنِ خراماں ، اللہ اللہ |
| قامتِ رعنا سے شرمندہ | سروِ بہاراں ، اللہ اللہ |
| فصلِ بہاراں سے ایک اِک گُل | چاکِ گریباں ، اللہ اللہ |
| ایک جھلک مہتاب رُخ کی | حاصلِ ایماں ، اللہ اللہ |
| تیری ایک ادا پر، اپنا | لُٹ گیا ایماں ، اللہ اللہ |
| تجھ کو پاکر، مَیں ہُوں اپنے | بخت پہ نازاں ، اللہ اللہ |
| مُجھ کو تیرے در کی گدائی، | تختِ سُلیماں ، اللہ اللہ |
| ان کی آمد میرے گھر میں | اِتنا احساں ، اللہ اللہ |

مَیں مخمُور فقیر کمینہ
اور وُہ سُلطاں ، اللہ اللہ

بموقعِ عرس مرود شریف

۲۳ جولائی ۱۹۷۲ء

Marfat.com

طے ہو چکیں "شکستِ تمنّا" کی منزلیں
اب اسکے بعد "گریۂ بے اختیار" ہے

شہر یارِ جمال، پروردگارِ کمال، سُلطانِ کجکُلاہ، خداوندِ دل و نگاہ، حبیبِ مکرّم شہزادۂ معظّم

## شیخ محمّد وزیر سونی دام حسنہ وجمالہ

مندمل زخم نہ ہوں، اے نگہِ سُرمہ نواز
اِس طرف بھی کرم اے ترکِ جواں تیر انداز

طاقِ ابرو کی ہے محراب مِری جائے سجُود
رُوئے زیبا کی زیارت ہے مِری اصل نماز

تیز کرتے ہیں مرے جوششِ جنوں کی آتش
رُوئے گلگُوں پہ یہ بکھرے ہُوئے گیسُوئے دراز

وحشتِ عشق لیے پھرتی ہے صحراؤں میں
دلِ آوارہ ہے خوں گشتۂ تیغِ تگ و تاز

ہم بھی اے پیرِ مغاں آپکے ہیں تلچھٹ نوش
ہم گداؤں پہ بھی ہو لُطف و کرم بندہ نواز

چشمِ خُونبار ہی سے اپنا کہیں گے قِصّہ
زخمِ دل ہی کو بنائینگے بس اب محرمِ راز

مجنُوں لیلیٰ بنا اور لیلیٰ بنی ہے مجنُوں
مذہبِ عشق میں یکجان ہیں محمُود و ایاز

زیست بیرنگ ہے گر عشق نہ تفویض کرے
چشمِ تر، دردِ جگر، قلبِ تپاں، سوز و گداز

زخمۂ چشم ہُوا محوِ نوازش جس دم
خود بخود چھڑ گئے زخمِ دلِ رنجور کے ساز

دلِ محسُور ہی کیا، خُون ہُوا عالم کا
چشم جسوقت ہُوئی مستِ مئے سُرمہ ناز

باحترامات فائقہ

پیش کردہ غلام نظام الدین

کتبہ حافظ محمد یوسف سدیدی

Marfat.com

برطرف صوم و صلوٰۃ الوداع سجود

میکشی خوباں پرستی عزّ و جاہے ساختم

Marfat.com

خوفِ رستاخیز از قلبِ نظامی محو شد

لطفِ پیرِ مے فروشاں را پناہے ساختم

کتبہ: خورشید سدیدی ۱۹۵۹ء

Marfat.com

# قوم

روزنامہ

# نوائے وقت

سرگودھا

# [illegible] نظامِ عالم

# ادب برائے

دلا بسوز کہ سوزِ تو کارہا بکند

دعائے نیم شبی دفعِ صد بلا بکند

عشق میں ہے مخمورؔ مبارک

دِل کی تباہی اور خرابی

خاکپائے رنداں: مخمور سدید لاہو

Marfat.com

# چشمانِ وزیر

آنکھیں ہیں تری ہستی و مستی کے خلاصے
یا قدرت و ندرت کے محقّق دو مقالے
یا عالمِ بالا کے ہیں دو شاہدِ عادل
یا جوہرِ اولیٰ کے مسلّم دو حوالے

---

تجھ کو تری آنکھوں کی قسم ہے مرے ساجن
مجھ کو بھی آنکھوں کے دریچوں سے بلا لے

۲ مئی ۱۹۸۲ء

Marfat.com

# ہدیۂ خلوص

حضور صاحبزادہ غلام نظام الدین زید محبتہ کی لاہور تشریف آوری پر الہامی نذرِ خلوص و محبت

بروز جمعرات ۱۶ نومبر ۱۹۷۲ء

ازل سے سر میں ہے سودا تری محبت کا
اسیر ہوں میں تری زلفِ آدمیت کا

کسی ولی سے نہیں کم تمہاری طرزِ حیات
قتیل ہوں میں ترے خنجرِ شرافت کا

دل و نگاہ کی خونباریِ تلاطم خیز
خراج لیتی ہے مجھ سے تری محبت کا

نفس نفس میں ہے تیرے گلاب کی خوشبو
خمیر تیرا ہے باغِ جناں کی نکہت کا

کہاں ہے سروِ سہی میں یہ تاب گلشن میں
مقابلہ جو کرے تیرے حسنِ قامت کا

دکھانا آئنہ سورج کو ہے بہت آساں
بیان کرنا ہے مشکل جبیں کی طلعت کا

بچھے ہیں دیدہ و دل آؤ آؤ جانِ بہار
میں منتظر ہوں ترے مرکبِ نزاکت کا

تمہارا ملنا ہے مخمور کے لیے معراج
گھڑی جدائی کی گویا ہے دن قیامت کا

بہ فیضِ فکر: حضرت صوفی مخمور ... 

پیشکش: ... یوسف ... لاہور

Marfat.com

# بحضورِ وزیر

دامِ حُسنہٗ وجمالہٗ

فقط اِس آس پہ جیتا رہا ہُوں مَیں اب تک
کہ زِندگانی مِری صَرفِ کار ہو جائے
تُو آئے گھر میں مِرے ، اور تیرے قدموں پر
متاعِ جانِ گرامی نِثار ہو جائے

Marfat.com

# بحضورِ وزیر

## دامِ حُسنہ وجمالہ

تمام عُمر رہے دِل کی بازی میں مصرُوف
تمام عُمر بالآخر ہمیں کو ہار ہُوئی
ہزار بار محبّت کو چھوڑنا چاہا
مگر کچُھ ایسے کہ ہِمّت نہ ایک بار ہُوئی

Marfat.com

ان اللہ علی کل شی قدیر

قرآن حکیم

آئی غنچہ میں پیا بکشا

گل از روضہ صبا بنماید

Marfat.com

(وزیر ساز شخصیتوں کے سرخیل)

# صوفی محمد منور سیدی

Marfat.com

# یک نظر

وزیر — کس قدر خوش نصیب ہے کہ، اُس کے — پیرو مرشد شیخ مکرم، جناب صوفی خورشید عالم خورشید رقم مخمور سدیدی (مدظلہ) — نے، اپنے غیر مطبوعہ دیوان مسمی بہ خمریات کی درج ذیل غزلیات میں، وزیر کے ظاہری جمالِ شمائل اور باطنی کمالِ خصائل کے بارے میں شایانِ شان اظہارِ خیال فرمایا ہے۔

ان غزلیات میں — رنگین تشبیہوں میں ڈوبے ہوئے وزیر کے سراپائی حوالے لفظوں کی جدولوں میں صوت و نغمہ کی جھنکار، مضمون پر اُستادانہ گرفت، بندش کی چستی، پُرگوئی و بدیہہ آفرینی کے علاوہ — زورِ بیان، ترکیبوں کی نُدرت و بداعت، انداز کی تازہ کاری وغیرہ سازی، لہجے کا والہانہ خروش اور داخلی سپردگی و وارفتگی کا وحدت الوجود کی طرف اُمنڈتا ہوا میلان — قابلِ دید و داد ہے۔

صوفی صاحب قبلہ اور وزیر — کے درمیان پیرو مرید کا دائمی رشتہ قائم ہے، جس کی بنیاد عقیدت پر اُستوار ہے — لیکن صوفی صاحب کے کلام کے آئینہ خانہ میں — صوفی صاحب اور وزیر — ایک ایسے لدُنّی مقام پر نظر آتے ہیں، جہاں — فانی جسم کے تمام رشتے اور ظاہری مناسبتیں اور باہمی امتیازات ہیچ ہو کر رہ جاتے ہیں۔ ایک ایسے بلند اور روحانی مقام معراج میں، ہر طرف چھائی ہوئی تنویری فضا میں — صوفی صاحب سر تا پا ایک مشتاق الست کی چشم مشاہدہ بین اور وزیر کا جمال، حُسنِ مطلق سے مُستنیر اور فروغ پذیر نظر آتا ہے۔ حاصلِ مشاہدہ و مطالعہ، صوفی صاحب کی مذکورہ غزلیات ہیں، جن میں — فنکارانہ مہارت کے علاوہ، تخلیقی بصیرت و بصارت بھی اور حُسن و صداقت بھی، خلوص و لطافت بھی ہے اور شوخی و شدّت بھی، رنگینی و لطافت بھی ہے اور سب سے بڑھ کر، حواس کی تشفّی کیلیے ایک وافر ذخیرۂ لطف و لذت بھی!

غلام نظام الدین

Marfat.com

# مُبارک باد

## عزیز ترین وزیر کے بی اے پاس کرنے پر

ہو گئے پاس اِمتحاں میں وزیر
رُوح میں ہیں، جو، میری جاں میں وزیر

خنجرِ ابروئے بُتاں میں وزیر
ناوکِ چشمِ مہ وشاں میں وزیر

سروِ زیبا میں ہے جمال اُن کا
گُل میں، غنچہ میں، گلستاں میں وزیر

نسترن میں، کلی کی خوشبُو میں
نکہتِ فصلِ گُلفشاں میں وزیر

چاندنی کی خنک صباحت میں
انجمستاں میں کہکشاں میں وزیر

لالہ و گُل کی موجِ نکہت میں
تابشِ رنگِ بوستاں میں وزیر

بُوئے گُل میں، بہارِ گُلشن میں
ساغرِ چشمِ میکشاں میں وزیر

ہے دُعائے فقیرِ اے مخمورؔ
خُرّم و شاد ہو جہاں میں وزیر

۱۴ اگست ۱۹۷۴ء

[illegible] خان صاحب [illegible] محمود [illegible]

Marfat.com

# صبحِ جمال

عزیز ترین شیخ محمد وزیر سونی دام حسنہ و جمالہ

جانِ حیا و گوہرِ صد گنجِ شائگاں
سُلطانِ حُسن و خسروِ اقلیمِ مہ وشاں

رنگینیوں کا تازہ چمن، مستیوں کا ابر
نورِ جمال، روکشِ تنویرِ کہکشاں

گہوارۂ سرور، نشاط آفریں شراب
سیمیں تن و گلاب رُخ و سروِ بوستاں

دو آتشہ شراب، پری وش، جمال رُو
روحِ روانِ میکدہ و جانِ میکشاں

عنبر سرشت، مُشکِ ختن، رشکِ نسترن
اُردی بہشت، حور وش و جانِ قدسیاں

عابد فریب، مرکزِ رنگینیٔ بہشت
فتنہ خرام، ترکِ جواں، روحِ عاشقاں

ماہِ تمام، سیمبرو، آفتابِ حُسن،
پھولوں کی شاخ، غنچہ دہاں، رنگِ بوستاں

سیماب رنگ، جلوۂ انجم، شگفتہ رُو
گلزارِ حُسن و خوبی و محبوبِ دلبراں

محشر خرام، چُست قبا، غیرتِ گلاب
روحِ نظام، جانِ خرد، آفتِ جہاں

سبدانِ مُشک و موجۂ عنبر ہیں سربسر
زُلفوں کی رشکِ سنبل و ریحاں درازیاں

ظاہر ہیں تیرے گیسو و عارض سے دمبدم
انوارِ صبح، شام کی تازہ سیاہیاں

آباد تیری مست نگاہوں سے میکدے
شاداب تیری سُرخیٔ عارض سے گلستاں

پیکانِ نگہِ ناز کی برسات الحفیظ،
رعنائیِ جمالِ جہاں سوز الاماں

کھلتے نہیں ہیں پھول چمن میں ترے بغیر
بکھرائیں آکے اپنے تبسم کی سُرخیاں

دیوانوں میں بہت ہی میں نازک مزاج ہوں
پہنائیں مجھ کو سایۂ گیسو کی بیڑیاں

تشبیہ اور کنایہ سے بالا ہے تیری ذات
قاصر ہے تیرے وصف سے مخمورؔ کی زباں

عطیہ

مخدوم و مکرم جناب صوفی خورشید عالم صاحب مجید سدیدی لاہور

بموقع

کامیابی امتحان بی اے ۱۹۷۴ء

Marfat.com

# السّلام اے سیّدِ خیر الوریٰ

(حضرت صوفی صاحب نے حج کے موقع پر، یہ طبعزاد درود وسلام، روضۂ اقدس کے سامنے پیش کیا)

السّلام اے نورِ ذاتِ کبریا! — السّلام اے صاحبِ صدق وصفا
السّلام اے چارۂ بے چارگان! — السّلام اے سایۂ بے سائیگاں
السّلام اے مالکِ کون ومکاں — السّلام اے تاجدارِ کُن فکاں!
السّلام اے تکیہ گاہِ بے کساں — السّلام اے رہنمائے گُم رہاں!
السّلام اے صادق الوعد الامیں — السّلام اے عرشِ اعلیٰ کے مکیں
السّلام اے تاجدارِ انبیا — السّلام اے دلربائے اولیاء
السّلام اے ہاشمی اُمّی نبی! — السّلام اے خوگرِ بخشندگی!
السّلام اے نازشِ پیغمبراں — السّلام اے دلبرِ دلدادگاں!
السّلام اے مظہرِ نورِ خُدا — السّلام اے سیّدِ خیر الوریٰ
السّلام اے صاحبِ خلقِ عظیم — السّلام اے موجۂ لطفِ عمیم!
السّلام اے تکیہ گاہِ عاشقاں — السّلام اے کعبۂ دلدادگاں
السّلام اے میہمانِ ذوالجلال — السّلام اے بے نظیر و بے مثال
السّلام اے صاحبِ شقُ القمر — السّلام اے ہادیِ جنّ و بشر
السّلام اے شافعِ روزِ جزا — السّلام اے آئینۂ حق نما
اے ضریحِ زرفشاں تجھ کو سلام — نورِ چشمِ عاشقاں تجھ کو سلام

Marfat.com

السّلام اے شہرِ بطحا کی ہوا
السلام اے ابر، اے کالی گھٹا

السّلام اے لیل ہائے نُورزا
السّلام اے روز ہائے مہ لقا

کوہسارانِ مدینہ کو سلام
مُشکبارانِ مدینہ کو سلام

اے مدینہ تیری گلیوں کو سلام
تیرے غنچوں تیری کلیوں کو سلام

اے مدینہ کے مکینو السّلام
السّلام اے نازنینو السّلام

اے مدینہ کے عباپوشو سلام
گنبدِ خضرا کے مدہوشو سلام

اے حرم کے پاسبانو السلام
میزبانو میہمانو السلام

اے حرم تیری عظمت کو سلام
تیرے حسن اور تیری طلعت کو سلام

اے مدینے کی بہارو السّلام
شب کے تابندہ ستارو السّلام

السّلام اے گلستانِ پُربہار
السّلام اے ذرّہ ہائے مشکبار

السّلام اے ریگزارِ گلفشاں
السلام اے خارزارِ گلفشاں

اک مسافر کا ہو روز و شب مدام
اے حرم کے طائرو تم کو سلام

السّلام اے مسجدِ نبوی کے فرش
السّلام اے روکشِ قندیلِ عرش

اے خنک آبِ حرم تجھ کو سلام
اے مئے نابِ حرم تجھ کو سلام

اے مدینے کی فضا تجھ کو سلام
اے شمیمِ عطرزا تجھ کو سلام

اے مدینے کی کھجورو السّلام
خلد کے باغوں کی حورو السلام

سنگریزانِ حرم کو صد سلام
گوہرستانِ حرم کو صد سلام

اے بقیعِ خُلدزا تجھ کو سلام
حضرتِ عثماں کی جا تجھ کو سلام

حضرتِ بوبکر اور حضرت عمرؓ
ہو سلامِ بندگانہ آپ پر

جو ہوئیں تسلیم ہیں کوتاہیاں
بخش دیجے افتخارِ مرسلاں

صد صلوٰۃ و صد درود صد سلام
بر محمد مصطفیٰ خیر الانام

Marfat.com

# حضرت صوفی مخمورؔ سدیدی

صاحبزادہ غلام نظام الدّین صاحب کا لکھا ہوا یہ مضمون —— خانقاہِ معظّمیہ معظّم آباد کے صد سالہ عہدِ روحانیت کی تاریخی دستاویز **هُوَ المعظّم** —— میں اشاعت پذیر ہو چکا ہے۔

مُعین نظامی (مُدیر جھلک)

صُوفی خورشید عالم خورشید رقم مخمورؔ سدیدی، کپور تھلہ میں ۲۱ صفر ۱۳۳۷ھ کو پیدا ہوئے۔ آپ ہاشمی النسب ہیں۔ آپ کے اجداد میں حضرت یوسف بہت بڑے ولی اللہ گزرے ہیں۔ اس لیے یوسفی بھی کہلاتے ہیں۔ آپ کے والدِ بزرگوار مہاراجہ کپور تھلہ کے دربار کے شاہی کاتب تھے۔ آپ نے بھی فنِ کتابت سیکھا اور اس میں خاص طور سے پرویزی نستعلیق میں بہت نام آور ہوئے۔

صوفی صاحب اپنے عالمِ شباب میں بہت خوش قامت، خوش اندام، اور خوش جمال و خوش خصال تھے۔ ان کی ابتدائی جوانی کپور تھلہ میں گزری۔ اس دورِ جذب و خود فراموشی کی رنگینیاں اور دلچسپیاں آہستہ آہستہ سلگ رہی تھیں کہ —— ناگاہ تقسیم ملک کا ہنگامہ برپا ہو گیا۔ ہندو اور سکھ بلوائیوں نے مسلمان تارکینِ وطن کے قافلوں پر حملے کیے۔ مال و اسباب لوٹا، مزاحمت کرنے والوں کا کشت و خون ہوا۔ عورتوں کی آبروریزی ہوئی۔ بھوکے ننگے اور لٹے پٹے مہاجرین صرف کلمہ طیبہ کا زادِ راہ لے کر بے سروسامانی اور بے بسی کی دردناک تصویر بنے پاکستان میں وارد ہوئے ——

Marfat.com

صوفی صاحب نے یہ خونچکاں مناظر بچشم خود دیکھے تھے۔ پاک باطن اور پاک ضمیر پہلے ہی تھے۔ انسانی تباہی کے دلدوز مناظر دیکھ کر دنیا کی بے ثباتی اور زندگی کی فنا پذیری پہ آپ کا یقین اور بھی پختہ ہو گیا۔ چنانچہ آپ کے خیالات میں فوری انقلاب آیا اور آپ تصوّف کی طرف شدّت سے مائل ہوئے۔ شاعری آپ بچپن ہی سے کرتے تھے اور ایک واسطے سے امیر مینائی کے شاگرد تھے۔ طبیعت زوروں پر تھی اور ذہن رسا اور فطرت بلند تھی۔ لہٰذا شاعری میں آپ نے تصوّف کو موضوع بنایا۔

کپورتھلوی دور کی شاعری میں آپ نے جوانی کے البیلے نغمے گائے ہیں لیکن ہجرت کے بعد والی شاعری میں اوّل سے آخر تک تصوّف کے بلند پایہ مضامین کا غلبہ ہے۔ فکر و خیال جب تصوّف ہی کا حصّہ بن کر رہ گئے تو اعمال و افعال میں بھی تصوّف کا رنگ چھا گیا۔ لاہور کے صوفیائے کرام سے آپ نے ملاقاتیں کیں، جس سے فقر و سلوک کی طرف میلان اور قوی ہو گیا۔ مشہور خطّاط حافظ محمد یوسف سدیدی آپ کے خاص دوست تھے۔ ان کی معرفت مُعظّم آباد (مرولہ شریف) حاضر ہو کر ۱۹۵۵ء میں خواجہ غلام سدیدالدین صاحب سے بیعت ہوئے۔ تزکیۂ باطن پہلے ہی ہو چکا تھا۔ ہمت بلند اور طبیعت ارجمند رکھتے ہوئے لہٰذا بہت تھوڑے عرصے میں یعنی ۱۳۸۰ھ ۱۹۶۰ء میں آپ خلافت مشائخ سے سرفراز ہوئے۔ آپ نے آگے سلسلۂ بیعت کو مفقود الخبر رکھنے کی کوشش کی، تاہم خوشبو پھیل ہی جایا کرتی ہے، چند افراد نے آپ کو بہت زیادہ مجبور کر کے آپ سے رشتۂ بیعت قائم کر ہی لیا ہے۔ تاہم آپ حد سے زیادہ گمنامی پسند ہیں اور حتی الوسع کسی کو مُرید نہیں بناتے۔

۱۹۵۸ء سے میں نے آپ سے شعر میں اصلاح لینی شروع کی۔ آپ کے حُسنِ اخلاق کا معجزہ ہے کہ آپ نے ہمّت نہیں ہاری اور غیر معمولی محنت سے میری تربیت کی۔ علمِ عروض میں نے پڑھا نہ تھا، وزن کا تجربہ نہ تھا۔ ایک مصرعہ چھوٹا اور ایک بڑا ہوتا

Marfat.com

تھا، فکر و خیال اور لفظ و معنی میں کوئی ربط و اتحاد نہ ہوتا تھا۔ لیکن آپ نے بلند حوصلہ دکھایا اور میری سب نالائقیوں کے باوجود آپ مجھے برابر اصلاح دیتے رہے۔ آپ کی اس کریمانہ روش سے خدا پر میرا اعتقاد اور بھی بڑھ گیا کہ استاد اتنی مہربانی کرتا ہے اور ہر غلطی کو غایتِ شفقت سے نظر انداز کرتا ہے اور میری اصلاح و ترقی کے لئے ہر ممکن کوشش کرتا ہے تو خدا کتنا کریم اور کارساز ہوگا!

خیر صوفی صاحب کی کوشش بار آور ہوئی اور میں نے دو چار شعر موزوں کر ہی لیے۔ اس کے بعد، جب بھی میں نے صوفی صاحب سے امداد طلب کی، انہوں نے بڑی رغبت اور خوشدلی سے میری دستگیری کی اور کبھی احسان نہیں جتلایا۔

قیامِ پاکستان کے بعد لاہور میں قیام پذیر ہو کر صوفی صاحب نے بہت زیادہ محنت کی۔ آپ نے عام طور سے اخبارات میں بطور کاتب سروس کی ہے۔ کتابت ایک محنت طلب پیشہ ہے۔ رات کو جاگ جاگ کر باریک قلم سے خبریں لکھنا اور صبح بمشکل دو گھنٹے کی نیند کرنا اور پھر بیٹھک کانیاں اندرون لوہاری دروازہ پر جا کر کتابت کا پرائیویٹ کام کرنا ـــ گزشتہ بیس برس سے صوفی صاحب کا ایک پختہ معمول ہے۔ بیس برس سے تو میں دیکھ رہا ہوں، ویسے، ہمیشہ سے یہی حال ہے۔ پھر عبادت و ریاضت، مہمانداری اور سماجی تعلقات نبھانا، یہ امور بھی ساتھ ہی ساتھ خوش اسلوبی سے انجام دے رہے ہیں۔ تین صاحبزادے ہیں اور تینوں کی تعلیم، روزگار اور شادی کے فرائض سے سبکدوش ہو چکے ہیں۔ کریم پارک میں مکان اپنا تعمیر کر لیا ہے۔

مقامِ حیرت ہے کہ ـــ صوفی صاحب نے جسم اور رُوح، دین اور دنیا، دونوں قسم کے تقاضے پوری دیانت سے پورے کر دیے ہیں اور کوئی پہلو تشنۂ تکمیل نہیں چھوڑا۔ آپ کی زندگی اور آپ کی محنت و مشقت دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ زندگی کا کارخانہ چلانے کے لیے حواس و مدرکات اور شعور و وجدان کی تمام قوتیں آپ نے کھپا ڈالیں۔ تب جا کر

Marfat.com

مقامِ ارفع وارجمند آپ نے پیدا کیا۔ صوفی صاحب کی گزشتہ محنت شمار کی جائے تو ان کی ہمت اور ان کے حوصلے کی داد دینی پڑتی ہے، پھر اس پر طرّہ یہ کہ تکان ان کے اعصاب پر سوار دکھائی نہیں دیتی۔ محنت میں اب بھی انہیں راحت ملتی ہے، اسی وجہ سے ان کی صحت بھی قابلِ رشک ہے۔

صوفی صاحب کے مزاج میں برداشت اور تحمل کا عنصر بہت نمایاں ہے۔ محنت و مشقت انسان کو چڑچڑا اور اخلاق وعادات کو کسی قدر درشت اور بے لحاظ بنا دیتی ہے، لیکن صوفی صاحب کا معاملہ اس کے برعکس ہے۔ شب بیداریوں اور ذکر و مناجات نے ان کے اندر رقت پیدا کر دی ہے۔ وہ کسی کا دکھ درد دیکھ کر بے چین ہو جاتے ہیں، اور اپنا ہر نقصان برداشت کر کے بھی دوسرے کو فائدہ پہنچانے کے درپے رہتے ہیں۔ خدا کی رحمتِ عام کی طرح، صوفی صاحب کی شفقت بھی بلا عذر و بے سبب ہر مستحق کی غیر متنازعہ فیہ میراث ہے۔ دوسروں کی دلجوئی اور دلداری کو وہ اصلِ عبادت سمجھتے ہیں۔ تصوّف کی رُو سے وہ شدید قسم کے ہمہ اوستی ہیں۔ لہٰذا آدم اور توقیرِ بشر کے ساتھ ساتھ، حیات و کائنات کے جملہ اعیان و مظاہر سے عقیدت مندانہ وابستگی رکھتے ہیں۔

آپ کی زیارت کے لئے ایک دفعہ میں بیٹھک کا تباں چلا گیا۔ صورتِ مبارک سے پتہ چلتا تھا کہ گریہ وزاری سے ابھی ابھی خاموش ہوئے ہیں۔ آواز بھرائی ہوئی تھی، ظاہر و باطن سے مضطرب الحال نظر آتے تھے۔ معاملہ دراصل یہ تھا کہ بیٹھک میں مزدور سفیدی کر رہا تھا۔ ایک چڑیا اور چڑا۔ جوڑا وہاں چھت میں رہتا تھا۔ چھت کی صفائی کے دوران ان کا گھونسلا بھی صاف ہو گیا تھا۔ بس یہی خیال صوفی صاحب کو کھائے جا رہا تھا۔ اس جوڑے کو خانماں خراب دیکھ کر صوفی صاحب نے اتنا درد محسوس کیا جیسے خود ان کو بے گھر کر دیا گیا ہو شاگردوں سے آپ نے علیحدگی میں کچھ کہا۔

میرے بیٹھے بیٹھے ایک شاگرد بازار سے لوہے کی سلیٹ اور میخیں لایا۔ سلیٹ کو چھت

Marfat.com

کی کڑیوں کے ساتھ جوڑ کر خانہ بنایا گیا، جس میں چند تنکے اور کاغذ کے پُرزے رکھ کر نیا گھونسلا چنا گیا۔ کچھ دیر بعد، چڑی چڑا اس گھونسلے میں آکر خوشی سے چہچہانے لگے۔ بس اب صوفی صاحب کا دل باغ باغ ہو گیا۔ دوسروں کی محرومیوں پر اس قدر درد و احساس کا اظہار واقعی کسی طرح عبادت سے کم نہیں۔

صاحبزادہ محمد رفیع الدین صاحب اور راقم الحروف، ہم دونوں بھائی لاہور یونیورسٹی میں پڑھتے تھے۔ رہائش حافظ یوسف صاحب کے پاس تھی۔ صوفی صاحب ہر اتوار ملنے آیا کرتے تھے اور آپ کا یہ معمول کبھی خطا نہ ہوا۔ ایک بار تشریف لائے تو کھانے کا وقت تھا، آپ کو بھی ساتھ شریک کیا گیا، ہم چمچ سے پلیٹ میں دہی ڈال رہے تھے کہ اس دوران رفیع الدین صاحب نے صرف اتنا کہا کہ گئے زمانے میں صوفیائے کرام رہٹ کی آواز پر گریہ کرتے تھے۔

بر آوازِ دولاب گریہ فقیر

کسانیکہ یزداں پرستی کنند بر آوازِ دولاب مستی کنند

بس اتنا کہنا تھا کہ صوفی صاحب کے آنسو برسنے لگے، ہم دونوں بھائی مبہوت ہو گئے دہی والی پلیٹ میں عین دہی کے اوپر آپ کے گرم گرم آنسو گر رہے تھے۔ تا دیر یہی کیفیت رہی۔

آپ کی رقّت کی یہ کیفیت ہے کہ — جب اپنے شیخ طریقت سے ملتے ہیں تو بے خود ہو جاتے ہیں، غلبۂ شور و مستی میں، آنسوؤں سے رومال یا آستین تر ہو جاتے ہیں، سینہ بھٹی کی طرح گرم ہو جاتا ہے، کافی دیر بعد، طبیعت بحال ہوتی ہے۔ حضرت شیخ کے ساتھ آپ کی ملاقات کا عالم دیدنی ہوتا ہے۔ لاہور واپس جانے کے لیے آپ حضرت شیخ سے یوں رخصت ہوتے ہیں جیسے جسم و جان میں تفریق ہو رہی ہو۔

مانسہرہ میں حضرت شیخ قیام پذیر تھے۔ صوفی صاحب اور حافظ یوسف صاحب

Marfat.com

ملنے آئے۔ حضرت نے صوفی صاحب کو دیکھ کر راقم الحروف سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا آج کوّا ہماری منڈیر پر سویرے سویرے چلا چلا کر بتائے جا رہا تھا کہ ـــ کوئی آنے والا ہے۔ بس اتنا سننا تھا کہ صوفی صاحب کی حالت غیر ہوگئی، ابھی آپ سے ملنے نہ پائے تھے کہ رو رو کر غش کر گئے، چند راہ گیر بھی اس وقت از راہِ ہمدردی موقع پر پہنچ گئے۔ کافی دیر بعد طبیعت سنبھلی تو پھر قدمبوس ہوئے اور پھر وہی حالت ہوگئی اور پھر دیر تک آپ کی بیہوشی مسئلہ بنی رہی۔

ایک مرتبہ آپ اپنے شیخ طریقت کے ہمراہ انارکلی سے گزر رہے تھے۔ سامنے بوٹوں کی دکان تھی ـــ واحد شُو سٹور ـــ جس کے بورڈ پر، لفظِ شُو پر پیش درج نہیں تھا۔ حضرت شیخ نے صوفی صاحب سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا ـــ صوفی صاحب! بھلا دیکھیں تو سہی وہ سامنے کیا لکھا ہوا ہے؟ غالباً "واحد شُو" لکھا ہوا ہے! حضرت نے شُو کو عمداً فتحہ سے پڑھا، جس سے صوفی صاحب کے اندر جذبۂ اشتیاق بھڑک اٹھا، مزاج مبارک میں شوریدگی کا غلبہ ہوگیا، دل کی دھڑکنیں تیز ہوگئیں، سانس اُکھڑ گیا جسم پر لرزہ طاری ہوگیا اور آنکھیں ندی کی طرح بہنے لگیں، انارکلی کا بھرا بازار اور صوفی صاحب کا یہ عالمِ شوق!

تاثیرِ برقِ حسن، جو اُن کے سخن میں تھی
اِک لرزشِ خفی مرے سارے بدن میں تھی

راقم الحروف اور چند اور ساتھی اس وقت ہمراہ تھے۔ ہم نے صوفی صاحب کو تھام لیا اور بمشکل بازار عبور کرایا، پھر ایک چائے خانے میں جا بٹھایا۔ بات ختم ہوگئی، احباب چائے پینے لگے، حضرت کے فرمائے ہوئے الفاظ پردۂ سماعت پر ابھر کر محو ہو چکے تھے لیکن صوفی صاحب تا دیر عالمِ بیخودی میں تڑپتے رہے؛

Marfat.com

مُطربان رفتند صوفی در سماع
عشق را آغاز ہست انجام نیست

صوفی صاحب حد درجہ صلح کل ہیں، وعدے کے پابند مستقل مزاج ہیں طبیعت میں تواضع اور انکسار بہت زیادہ ہے۔ پیر خانے کی خدمت بڑے شوق سے کرتے ہیں۔ حالات آپ کی طبیعت کے مطابق ہوں تو زیادہ خوش نہیں ہوتے اور اگر خدانخواستہ خلافِ طبع ہوں تو پریشان نہ خود ہوتے ہیں اور نہ ہی بے صبری سے واویلا مچاکر دوسروں کو پریشان کرتے ہیں۔ اولاد کے مستقبل کے بارے میں کبھی متفکر نہیں ہوئے۔ مکمل طور پر راضی برضا ہیں۔

شاعری میں زیادہ تر غزل کہتے ہیں — ایسی غزل جس میں عشق و مستی اور عارفانہ و حکیمانہ رموز و نکات کا سراغ ملتا ہے۔ کہیں کہیں لمساتی محبت اور رنگ و بو سے لبریز حسی تشبیہیں ان کے کلام میں رومانی چکا چوند دکھا رہی ہیں جس سے انسانی ذہن تک مسرت اور حظ کا فراواں ابلاغ ہوتا ہے۔

نمونۂ کلام:

جو میکدے میں ترے زندگی گزار چلے
وہ بادہ نوش رہِ عاقبت سنوار چلے

---

کافی ہیں میری آنکھیں برسنے کے واسطے
اے بادلو! برستے ہو تم روز کس لیے

---

ذکرِ جاناں میں جو گزر جائیں
وہی لمحے ہیں حاصلِ اوقات

---

وہی ہے حاصلِ عمرِ رواں حقیقت میں
جو زیرِ سایۂ دیوارِ یار گزری ہے

Marfat.com

تمام رات کیا میں نے انتظار اُن کا
تمام رات سرِ رہگزار گزری ہے

---

اب نہیں کوئی آرزو باقی
اب تو دل میں ہے تُو ہی تُو باقی
جو کیا تھا الست کے دِن سے
آج تک ہے وہی وضو باقی

---

اس میں بدنامیوں کے دھبے ہیں نہ پڑھو میری زندگی کی کتاب

---

عشق میں ہے مخمورؔ مبارک
دل کی تباہی، اپنی خرابی

---

تجھے ہے ایک قلندر کی چشمِ مست سے فیض
یونہی نہیں تری مخمورؔ طبعِ رندانہ

---

ہے کوئی محوِ تغافل بنازِ محبوبی!
کسی کی آنکھ سے ہر دم رواں ہے دل کا لہو

---

سُنا ہے آج وہ مخمورؔ اس رستے سے گزریں گے
ہر اک ذرّے پہ فرشِ دیدہ و جاں کر رہا ہوں میں

---

Marfat.com

کٹی ہے مخمورؔ میکشوں میں یہ وقتِ آخر ہے زندگی کا
اسے بھی اس انجمن میں جاکر، شہیدِ چنگ و رباب کر دے

---

حضورِ ساقیِ رعنا یہ التماس کرو
کہ فصلِ گُل میں نہ ہو بند بابِ میخانہ

---

جو ہمارے حبیب ہوتے ہیں — ان کے غمزے عجیب ہوتے ہیں
تیری محفل میں بیٹھنے والے — کس قدر خوش نصیب ہوتے ہیں
تیز ہوتی ہیں دھڑکنیں دل کی — جب وہ میرے قریب ہوتے ہیں
دے رہے ہیں مریضِ غم کو دوا — کتنے ناداں طبیب ہوتے ہیں

---

آئے ہوں گے وہ سیرِ گلشن کو
پیرہنِ گُل کا تار تار ہے آج

---

یوں تری کاکلوں کے ہیں سائے — جس طرح کوئی سانپ بل کھائے
آج پھر زُلفِ عنبریں کھولو — آج پھر نیلگوں گھٹا چھائے
میری توبہ کو توڑنے کے لیے — بے سبب جام و شیشہ ٹکرائے
سجدۂ شُکر کر تُو اے مخمورؔ
جانِ میخانہ تیرے گھر آئے

---

Marfat.com

ہم ازل ہی سے چاکِ داماں ہیں
اے عزیزو! فضول فکرِ رفو

---

دوش پر زُلفِ پریشاں تننا ہا یا ہُو
سربسر حشر کا ساماں تننا ہا یا ہُو
آتشیں ہونٹوں کی ہلکی سی گلابی رنگت
غیرتِ لعلِ بدخشاں تننا ہا یا ہُو
کھول میخانے کا در ساقیِ دیوانہ نواز
آ گئی فصلِ بہاراں تننا ہا یا ہُو
یوں ترے عشق میں سرمست ہوئے دیوانے
سرِ بازار ہیں رقصاں تننا ہا یا ہُو
جوشِ وحشت میں چلے دشت کو یوں دیوانے
چاک دل چاک گریباں تننا ہا یا ہُو
فصلِ گل، صحنِ چمن، موجِ صبا اے ساقی
بھر کے دے جامِ زرافشاں تننا ہا یا ہُو

---

بڑے خلوص سے ہم نے فریب کھائے ہیں
بڑے وثوق سے دنیا پہ اعتبار کیا

---

دلِ مایوس میں امید کی ضَو — دُور آوازِ درا ہو جیسے
سُرخ پیراہن و گلگوں عارض — آگ میں پھول کِھلا ہو جیسے

Marfat.com

اب ہم اس دور میں ہیں اے مخمورؔ
ٹمٹماتا سا دیا ہو جیسے ،

---

تیری درگاہ کے فقیروں کا ذکر ہوتا ہے تاجداروں میں

سُرخیِ خونِ دل سے تیرے حضور
لکھ کے لایا ہوں چند افسانے

حضرت صوفی صاحب کے لیئے راقم الحروف نے یہ قطعہ کہا ہے :

تُو آن دُر دانہ بحرِ مُعانی
ز تابت خیرہ مہرِ آسمانی
چگویم دیگرت ؟ گر این نگویم
عدیلِ حافظ و خیامِ ثانی

Marfat.com

# محمور سدیدی

(غلام نظام الدین)

اپنے ذہن پر زور دے کر، تصوّر میں ارتکاز پیدا کریں۔ ہزار سال ماضی کی طرف ایک جست لیں۔ پھر آنکھوں کے سامنے فردوسی کی بنائی ہوئی خیالی تصویر لے آئیں۔ تصویر کیا ہے۔؟

ایک مضبوط و توانا جسم ہے، ہاتھی کی طرح بارعب اور بھاری بھرکم، جس میں نہایت پاکیزہ جان موجیں مار رہی ہے، جو دم جبریل کی طرح لطیف و اطہر اور اسرارِ قدس کی خزینہ دار ہے۔ جھوم جھوم کر برسنے والی گھنگھور گھٹا کی طرح اس کی ہتھیلی جود وسخا کے جواہر لٹاتی ہے اور اس کے پیکر کے اندر جھانکیں تو اس کا فیاض قلب داد و دہش میں دریائے نیل کی طرح جوش میں آ کر ٹھاٹ مارتا ہے۔

فردوسی کی پیکر تراشی یا کردار نگاری سے مرتب ہونے والی تصویر کا نام پوچھا جائے تو آپ جھٹ سے محمودِ غزنوی کا نام لے دیں گے اور شاید خود کلامی کے زور سے یہ شعر بھی آپ کے کانوں میں گونجنے لگے۔

بہ تن زندہ پیل و بہ جان جبرئیل     بہ کف ابرِ بہمن، بہ دل رودِ نیل

تھوڑا سا تصرف کر کے، اگر اس شعر کو یوں پڑھ لیا جائے:

بہ تن بس جمیل و بہ جان جبرئیل     بہ کف ابرِ بہمن، بہ دل رودِ نیل

تو آپ یقین کریں کہ جناب صوفی محمور سدیدی کی صحیح تصویر اب آپ کی نگاہوں میں ہے۔

فردوسی نے اپنے ممدوح کے جسم و جان او دست و دل کا ذکر کر کے،

Marfat.com

اس کی شخصیت کے ظاہر و باطن ہر دو پہلوؤں کا کرداری مطالعہ پیش کیا ہے۔ صوفی صاحب کی سیرت میں بھی یہی چاروں جہتیں ——— اتفاقاً، فردوسی ہی کی بیان کردہ ترتیب کے مطابق نظر آتی ہیں۔

# دورِ شباب

صوفی صاحب اپنے عہدِ شباب میں چندے آفتاب چندے ماہتاب تھے۔ قامت کی موزونی، رنگت کا نکھار، اندام کی خوش اسلوبی، اعضا کی خوش وضعی، گفتار و رفتار میں کشش و دلفریبی، آنکھوں میں خمار کی گھٹا چھائی ہوئی، کالی کالی لانبی زلفیں، چال ڈھال میں موجِ صبا کی سبک روی و سبک روحی ——— غرض کہ ان دنوں صوفی صاحب ایک چلتے پھرتے جادو تھے یا پھر قیامت کے سفیر!

گرما کی چاندنی راتوں کو جب صوفی صاحب کوٹھے کی چھت پر سوتے تو صبح آپ کے بستر پر چنبیلی اور چمپا کی کلیاں پڑی ملتی تھیں جو ——— اڑوس پڑوس کی حسینائیں اپنے اپنے بام سے جناب پر مٹھیاں بھر بھر کر پھینکا کرتی تھیں۔ صوفی صاحب کی طرف سے جب اس چھیڑ چھاڑ کا کوئی ردِ عمل نہ ہوا تو ان نازنینوں نے برفی کی ڈلیاں پھینکنا شروع کیں۔ دونوں صورتوں میں خیال کے تلازمے ملائے جائیں تو الھڑ جوانیوں کی مہکتی چہکتی اور سلگتی دہکتی امنگوں کی سلسلہ وار روئداد سامنے آجاتی ہے اور ساتھ ہی ساتھ صوفی صاحب کی مقبولیت اور جذب و تسخیر کا اندازہ بھی ہو جاتا ہے۔ یہ تو خیر صوفی صاحب تھے جو اس حرکت پر بھی ضبط کیے رہے، ورنہ کوئی اور ہوتا تو ظاہر ہے انجام بخیر ہی ہوتا! یہاں سودا کا شعر

Marfat.com

کیا لطف دے رہا ہے:

گل پھینکے ہیں اوروں کی طرف بلکہ ثمر بھی

اے خانہ برانداز چمن کچھ تو ادھر بھی

صوفی صاحب کو پہلی بار میں نے ۱۹۵۵ء میں دیکھا تھا۔ اس وقت جناب کی نظر سے زمانے کے حادثات وسانحات کے ریلے گزر چکے تھے۔ تیز ہوا اور تنہا پھول کی طرح، اس وقت جناب الم واندوہ کے جھکڑوں میں بھی حسنِ خداداد کا ایک طرفہ پیکر تھے۔ جناب کی آنکھ میں اسی وقت بھی طلسمکاری کی فضا، کہانی کی سی ادا اور ساحرانہ کشش کی حالت وکیفیت بہ تمام وکمال موجود تھی اور صاف معلوم ہوتا تھا کہ اس آنکھ سے وابستہ کتنی بہت سی حکایتیں ہوں گی۔

مشہور نقشبندی بزرگ مرزا مظہر جانجاناں کی خوبصورتی کی طرح، صوفی صاحب کی جوانی بھی حسن وجمال کا ایک عہدِ زریں تھی۔ فرق صرف اتنا ہے کہ مرزا مظہر دو اڑھائی صدی کی زمانی قدامت رکھنے کی وجہ سے ظاہر ہے شہرت بھی اتنی ہی پرانی رکھتے ہیں۔ پھر حسنِ اتفاق سے انہیں کئی اچھے اچھے صاحبِ تذکرہ و تالیف بھی مل گئے تھے، جنہوں نے مرزا صاحب کے حسن کو اپنے حسنِ بیان سے اور بھی چار چاند لگا دیے تھے۔ مرزا صاحب کی شہرت سے زیبِ داستان کا عنصر خارج کر دیا جائے تو سامنے ہمارے صوفی صاحب ہی رہ جائیں گے۔ میں یہاں حقِ استادی ادا نہیں کر رہا اور نہ ہی منقبت خوانی اور مدلل مداحی بلکہ حقیقت نگاری کے تقاضے نبھا رہا ہوں:

ہر کہ علیم کند از عشق وملامت گوید

تا ندیدست ترا بر منش انکارے ہست

Marfat.com

# روحانی ارتقاع

حافظ محمد یوسف سدیدی کے ساتھ ۱۹۵۵ء میں ، خانقاہِ معظمیہ میں داخلِ سلسلۂ چشت ہوئے ۔ ۱۹۶۰ء میں خلافتِ مشائخ سے مشرف ہوئے ۔

صوفی صاحب نے اولیاؤں کے گھرانے میں جنم لیا ۔ پاک دل ، پاک طنیت اور پاکباز مادر زاد تھے ۔ صغائر و کبائر سے ہمیشہ مجتنب رہے ۔ ایک لبنانی دانشور کے بقول ——— "عناصر کا طوفانی غلبہ بڑے بڑے پیڑوں کو تو منہدم کر سکتا ہے لیکن ننھے بیجوں سے اُن کی صلاحیت کبھی چھین نہیں سکتا ۔"

پہاڑوں پر اکثر دیکھا گیا ہے کہ شدید برف باری کے دوران بڑے بڑے تناور درخت جڑوں سے کٹ کر ، چٹانوں سے ٹکرا ٹکرا کر پاش پاش ہو گئے اور اور ان کے ریزے بھی اِدھر اُدھر آوارہ پھرتے رہے ، جب کہ وہی برف ننھے بیجوں کو آئندہ موسم تک حفاظت فراہم کر رہی ہے ۔ برف جونہی پگھلی ، بیجوں کے اکھوے پھوٹے اور دیکھتے ہی دیکھتے ان سے کونپلیں نکلنے لگیں ۔

ہمارے صوفی صاحب کا بھی کچھ ایسا ہی حال ہے ۔ تقسیمِ ملک کے ہوش ربا ہنگامے نے ہند کی پوری اسلامی سوسائٹی کو تلپٹ کر دیا تھا ۔ خاندانوں کے خاندان بیخ و بن سے اکھڑ گئے ۔ کنبوں کے کنبے منتشر ہو کر رہ گئے ۔ برگِ آوارہ کی طرح قبیلوں سے کٹے ہوئے لوگ در در کی ٹھوکریں کھاتے پھرتے تھے اور کوئی پوچھنے والا نہ تھا ۔ موت کی اس اندھی آندھی میں صوفی صاحب اپنی فطرتِ سلیمہ ، طبعِ راشدہ اور جبلتِ صالحہ کا زادِ راہ لے کر ، ایک نئے عالیشان خاندان کا عمدہ بیج یا ایک صحت مند جڑ کی طرح ، ھند سے لاہور میں وارد ہوئے ۔ صفر بلکہ منفی صفر حالات سے آپ نے نئی زندگی کا آغاز کیا ۔ تنگ دستی اور

Marfat.com

عسرت کے ماحول میں آپ نے اپنی ہمت و محنت سے عمرِ عزیز کا ایک ایک لمحہ صرفِ تعمیرِ نو کر دیا۔

محنت کا یہ دور ۱۹۴۷ سے شروع ہوا۔ تقریباً تیس برس کامل آپ نے اتنی جانکاہ مشقت اٹھائی کہ انسان اُن کی ہمت پر حیران ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ غالب نے جیسے کہا تھا کہ چکی کے دو پاٹوں کی طرح، اگر زمین و آسمان کو باہم ملا کر میرا پلیتھن بھی نکال دیا جائے تو میں قدرت کے اتنے جبر پر بھی ماتھے پر تیوری چڑھانے کے لیے تیار نہیں :

دو زند گر بفرض زمین را بہ آسمان
حاشا کزین فشار درابرد خم افگنم

تسلیم و رضا میں صوفی صاحب کا بھی یہی مقام ہے۔ کسبِ معاش کے ساتھ آپ ایک نئے خاندان کی تأسیس بھی کر رہے تھے۔ لہذا آپ کی تمام تر جدوجہد اجتماعی ضروریات کی کفالت کے لیے تھی۔ صرف اپنی ایک ذات کو خوش رکھنا مقصود ہوتا تو اتنی محنت شاید آپ نہ کر پاتے، اور پھر بھی عیش و آرام سے گزر جاتی۔

بجلیوں کے نشیمن اور ہواؤں کو قرار کہاں ؟ صوفی صاحب نے معاشی ضروریات سے ہٹ کر، اپنی روحانی نشوونما کے لیے بھی اتنی محنت کی کہ اس کا تذکرہ سن کر بھی حواس دنگ رہ جاتے ہیں۔ برابر کئی سال تک صوفی صاحب رات کی نیند سے محروم رہے۔ نصف شب روزی کے لیے اور بقیہ نصف شب رضائے الٰہی کے لیے۔ صبح ان کی آنکھوں میں سرخی کے لال لال ڈورے وہی خواجہ نظام الدین اولیا کی یاد تازہ کر دیتے تھے۔ خواجہ صاحب ساری ساری رات ذکر و مناجات میں گزار دیتے تھے اور صبح امیر خسرو

Marfat.com

حسنِ تعلیل کے اسلوب میں حضرت محبوبِ الٰہی سے ایک گونہ شوخی کیا کرتے تھے:

توشبانہ می نمائی بہ برِکہ بودی امشب؟
کہ ہنوز چشمِ مستت اثرِ خمار دارد!

تھکنا، ہمت ہارنا۔ اپنے ماضی کے کارنامے گننا، خود کو صاحبِ تاریخ کہنا، اور دوسروں سے یہ توقع رکھنا کہ وہ میرے عہد آفرین ہونے کی تصدیق کریں ——— صوفی صاحب کو ان لغویات سے کیا کام؟ جس قدر روحانی ارجمندی وارفعیّت آپ زیادہ حاصل کرتے گئے، اُتنی ہی عاجزی اور خاکساری آپ میں بڑھتی گئی۔ جب سے آپ اپنی اولاد کی تعلیم، روزگار اور ازدواجی فرائض سے سبکدوش ہیں، تب سے بوُترابی کیفیت کا مزاجِ عالی پر نہایت غلبہ ہے۔ خاکساری کا یہ عالم ہے کہ ایک عالم کو آپ کی ذات سے فیض ہے اور کسی کا پیر یا استاد کہلانا آپ کو گوارا نہیں۔ انتہائی التجا کے باوجود کسی کو مرید کرنے میں کبھی دلچسپی نہیں لیتے۔ فنِّ کتابت میں آپ نے ہر کسی پر ہر وقت اپنا دروازہ کھلا چھوڑا ہوا ہے کہ ——— روٹی اور پیٹ کا مسئلہ ہے، اس میں میں کسی سے بھی غفلت اور تاخیر نہیں برت سکتا۔ اور جہاں تک پیری اور مریدی کا مسئلہ ہے، اس میں حتی الوسع کسی کو بیعت کرنے سے گریز ہی کرتے ہیں۔

# ایک واقعہ

۱۹۸۲ء میں صدرِ پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق نے آپ کو کسی مقام پر بُلوایا اور خاص قاصد بھیج کر طلب کیا۔ آپ تشریف لے گئے۔ جنرل صاحب نے

Marfat.com

بہت قدر دانی اور عزت افزائی کی۔ بچوں کی تفصیلات اور اُن کی ضروریات پوچھی گیئں۔ صوفی صاحب نے فرمایا کہ بحمد اللہ سب تعلیم یافتہ اور برسرِ روزگار ہیں۔ جنرل صاحب نے پوچھا کوئی خدمت مجھے ضرور ارشاد فرمایئں۔ آپ نے فرمایا آپ کے لیے دعا ہے، فی الحال میرا ایسا کوئی کام نہیں جو رکا ہوا ہو۔ جنرل صاحب نے کہا آپ نے مدینہ منورہ حاضری دی ہے یا ابھی نہیں گئے؟ مدینہ کا نام سننا تھا کہ آپ کی حالت غیر ہوگئی، اتنا رد دئے اتنا تڑپے کہ صدر صاحب احتراماً کھڑے ہو گئے۔ وزیرِ ثقافت بھی صدر صاحب کے ساتھ تھے وہ صوفی صاح کے پاؤں دبانے لگے۔ دیر بعد جناب سنبھلے تو صدر صاحب نے کہا کہ ہمیں بہت فکر لاحق ہوگئی تھی جناب کے بارے میں۔ صدر صاحب کے اصرار کے باد جناب نے کوئی فرمائش نہ کی اور محض دعا دینے پر ہی اکتفا کی۔ صدر صاحب نے آپ اور اہلِ خانہ کے لیے سرکاری طور پر حج کا انتظام کرا دیا۔ اس طرح آپ نے ۱۴۰۲ھ/۱۹۸۲ء میں حج کیا۔

گمنامی آپ کو اتنی پسند ہے کہ کبھی اخبارات میں نام آجائے یا ٹی۔ وی پر آپ کے فن پاروں کا ذکر آجائے تو سمجھتے ہیں کہ مجھ سے ضرور کوئی گناہ سرز ہوا ہے جس کی سزا شہرت کی صورت میں مل رہی ہے ——— کیونکہ تشہیر نفسِ امارہ کے لیے غذا اور روحانیت کے لیے زہرِ قاتل ہے

# فیض رسانی

خط کی قسموں میں نستعلیق خاص طور سے ایرانیوں کی ایجاد اور ایرانی مزاج کی نفاست پسندی کا آئینہ دار ہے۔ برِصغیر میں داخل ہونے کے ب ایرانی نستعلیق نے یہاں سے مقامی اثر قبول کیا، اور یہ ہندی نستعلی

Marfat.com

کہلایا۔ ہندی نستعلیق کا نمونہ صدیوں تک جوں کا توں قائم رہا۔ منشی عبدالمجید پرویں رقم پہلے شخص تھے جنہوں نے پرانے نمونے میں بہت سی تبدیلیاں کر کے ایک نیا اسلوب پرویں نستعلیق رائج کیا۔ پاکستان میں خطاطی کے لاہوری دبستان نے اسی نمونے کی پیروی کی۔ پاکستان میں کتابت کے کاروبار کو سب سے زیادہ فروغ لاہور میں حاصل ہوا۔ اس لیے پرویں نستعلیق گویا پاکستان کا نمائندہ خط کہلانے کا پورا استحقاق رکھتا ہے۔

صوفی صاحب پرویں نستعلیق کے جیّد صاحب طرز اور استادِ اجل ہیں۔ جناب کے فن پارے دیکھنے سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آپ نے خط میں کمالِ حسن پیدا کرنے کے لیے کتنی محنت کی ہوگی۔ پرویں رقم کے نامور حریف منشی تاج الدین زریں رقم نے اندرون لوہاری دروازہ، کرائے کی ایک عمارت میں بیٹھک کاتباں کے نام سے ایک ادارہ کھولا تھا، جہاں کئی کاتب مل کر کام کرتے تھے۔ اور خود زریں رقم فن کے شائقین کو مشق دیا کرتے تھے۔

زریں رقم کی وفات کے بعد، تمام خطاط برادری نے متفقہ طور پر جناب صوفی خورشید رقم مخمور سدیدی کو زریں رقم کا جانشین ٹھہرایا۔ صوفی صاحب غالباً ۱۹۵۵ یا ۵۶ سے تاحال پوری مستعدی سے فن کی خدمت سرانجام دے رہے ہیں۔ حکومتِ وقت سے آپ کو فنی خدمات کے اعتراف کے طور پر انعام بھی مل چکا ہے۔

آپ لاہور کے کثیر الفیضان بزرگوں میں شمار ہوتے ہیں۔ کتنے بے شمار لوگوں کے لیے آپ کا قلم مقسمِ رزق ثابت ہوا۔ اچھی اچھی استعداد کے شاگرد جناب کے حلقہ تلمذ میں آئے اور نامی گرامی خطاط بن کر نکلے۔

خطاطی کے علاوہ ادب و شعر میں بھی آپ سے اصلاح لینے والوں کا

Marfat.com

سلسلہ کافی وسیع ہے۔ منازلِ سلوک اور مدارجِ معرفت میں بھی آپ سے کسبِ فیض کرنے والے متلاشیانِ حق کی تعداد اچھی خاصی ہے۔ تصوف میں آپ کا مسلک "ہمہ اوست" ہے۔ آپ کے عمل سے "ہمہ اوست، ہمہ از اوست، ہمہ برائے اوست" کی تمام جہتیں پوری شد و مد سے نمایاں ہیں۔

سورج اپنے انوار کی تقسیم میں، چوٹیوں اور گھاٹیوں کا فرق کبھی روا نہیں رکھتا۔ صوفی صاحب بھی خدمتِ خلق اور تقسیمِ فیض میں بے صرفہ و بے دریغ ہی کے پابند ہیں۔ البتہ کسی کو باقاعدہ مرید کرنے میں بہت ہی پس وپیش کرتے ہیں۔ ممکن ہے یہ امر جناب کی منکسر المزاجی اور احتیاط پسندی کے سبب سے ہو۔

# قلبی استغنا

حق سبحانہ تعالیٰ کی ذات و صفات میں شغل رکھنے والے قلب کو، جب کثرتِ ذکر و فکر سے تسکینِ کامل حاصل ہو جاتی ہے تو ———— دو عالم اُس کی نظر میں ہیچ ہو کر رہ جاتے ہیں۔ اسی قلبی استغنا کو مقربینِ خاص کی پہچان قرار دیا گیا ہے کئی سال سے، جناب صوفی صاحب کی یہ حالت ہے کہ ———— کچھ آ جائے تو خوشی نہیں، کچھ چلا جائے تو غم نہیں۔ جناب کے دستِ مبارک اور زبانِ حق بیان سے آج تک، ایک فردِ واحد کو بھی نہ نقصان پہنچا ہے اور نہ ہی قبلہ صوفی صاحب سے کسی کو کسی قسم کا کوئی گلہ ہے۔

بہت عرصہ پہلے کا ایک واقعہ مجھے یاد آ رہا ہے ۱۹۵۸ء میں سرگودھا کے باغ سیتارام میں میری سکونت تھی۔ صوفی صاحب لاہور سے وہاں تشریف

Marfat.com

لاتے ۔ مجھے ان دنوں شعر لکھنے کا بہت شوق تھا اور جتنا زیادہ شوق تھا اتنے ہی بے تکے شعر بھی لکھا کرتا تھا۔ یہی ناہموار کلام اصلاح کے لیے جناب صوفی صاحب کی خدمت میں بھیج دیا کرتا تھا۔ جس میں سے ——— تھا، تھے، تھی، کا، کی، سے، ہے، ہوگا ——— وغیرہ کے علاوہ تمام الفاظ بدلنا پڑتے تھے۔ مجھے شرم بھی آتی تھی کہ ایسے غلط شعر لکھنے کی بجائے شوق ہی تبدیل کر لیا جائے تو بہتر ہے۔ لیکن شعر گوئی کا بڑھا ہوا شوق جنون کی حد کو چھو رہا تھا، جس کا رخ تبدیل کرنا میرے بس میں نہ تھا۔

چنانچہ سرگودھا میں، صوفی صاحب کو روبرو پاکر، میں نے معذرت کی کہ جناب میں آپ کا ایک ادنیٰ شاگرد ہوں۔ اور آپ کے لیے باعثِ ننگ ہوں کہ اتنے عرصے سے آپ مجھے اصلاح دے رہے ہیں لیکن میں کچھ بھی استعداد اور ترقی ظاہر نہیں کر سکا۔ مجھے آپ کے روبرو ہونے سے شرم آتی ہے، لیکن پھر ایک خیال آتا ہے کہ آخر آپ میرے والد صاحب سے بیعت بھی تو ہیں۔

صوفی صاحب یہ سن کر پھڑک اٹھے۔ غمناک پلکوں کو تیزی سے جھپکتے ہوئے، رندھی ہوئی آواز میں کہنے لگے کہ آپ کے لیے میری جان بھی حاضر ہے۔ شعروں کی اصلاح کا تو مذکور ہی کیا ہے۔ بخدا آپ کے لیے میری جان وقف ہے۔ آپ کو یہ حوالہ دینے کی ضرورت نہیں کہ میرا آپ کا تعلق کیا ہے۔

ننگ است در طریقِ کریمان معاملت
جان از نظیری ار طلبی رایگان طلب

جناب کے جوشِ محبت اور استغنائے قلبی کو دیکھ دیکھ کر میں حیران رہ گیا۔

Marfat.com

# تین ستارے

گزشتہ چالیس برس سے، خانقاہِ معظمیہ کو میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔ یہاں جتنے بھی لوگ آئے ——— گوشت پوست کی چلتی پھرتی پرچھائیوں کی طرح آئے اور موہوم خوابوں کی طرح، یادوں کے دامن سے داغ دھبوں کی طرح دھل گئے۔ ہزاروں کی بھاری تعداد سے، صرف تین افراد ——— گزشتہ چالیس برس میں، ایسے آئے کہ جن کے بارے میں بے کھٹک کہا جا سکتا ہے۔

که بر کنجشک دام افگندم وصیدِ ہما کردم

سب سے پہلے حافظ محمد یوسف سدیدی ۱۹۵۲ء میں آئے یہ صاحب مدینۃ الفنون اور مجموعۂ کمالات ہونے کے علاوہ ناقابلِ تقلید محبت اور قربانی کا بے پناہ جذبہ اور ملکۂ راسخہ اپنے اندر رکھتے تھے خانقاہِ معظمیہ سے محبت کی تکمیل اور شوق کی بالیدگی کے لئے، سب سے زیادہ حافظ صاحب نے کسبِ فیض کیا۔

۱۹۵۵ء میں جناب صوفی خورشید عالم خورشید رقم مخمور سدیدی تشریف لاتے۔ یہ صاحب اسمِ بامسمٰی اصلاً بادہ پیاسے اور مادر زاد کندن تھے۔ انہیں کسی کامل نگاہ کے زیرِ اثر تربیت درکار تھی۔ چنانچہ منازلِ سلوک طے کرنے اور روحانی اوجِ کمال تک پہنچنے میں، جتنی حیرت انگیز کامیابی حضرت صوفی صاحب نے حاصل کی۔ اور درست سمت کو جس بلا کی سرعت سے راست اقدام انہوں نے کیا، آئندہ ناقابلِ تقلید معلوم ہوتا ہے۔

۱۹۷۰ء میں، وزیر آیا اور خانقاہ میں محبت نام کی دولت اُسی کی ہو کر رہ گئی۔

Marfat.com

# صوفی صاحب اور وزیر

وزیر سے میں نے کہا کہ ــــــــ خانقاہِ معظمیہ میں، آپ کی آمد کا خیر مقدم کرتے ہوئے سب سے عمدہ تحفہ جو میں نے آپ کے لیے تجویز کیا ہے ــــــــ خاندانِ چشت اہلِ بہشت میں داخل ہونے کا شرف ہے۔

وزیر نے پوچھا کہ ــــــــ خاندانِ چشت کی کیا خصوصیات ہیں؟

میں نے کہا ــــــــ خصوصیات تو بہت ہیں، لیکن جو چیز مجھے سب سے زیادہ پسند ہے، وہ یہ ہے کہ ــــــــ مشائخِ چشت میں اسمِ ستّار اور اسمِ کریم کی جھلک بہت نمایاں ہے، بہ نسبت دوسرے سلسلوں کے

غلامِ ہمتِ این خاندانِ با کرمم
کہ یک صواب نہ بیند و صد خطا بخشند

وزیر اس سے بہت محظوظ ہوا اور متاثر بھی۔

جولائی ۷۲ ۱۹ کی یہ ایک صبح سعادت تھی۔ خواجہ معظم دین کے عرس کا آخری دن تھا۔ حافظ صاحب، صوفی صاحب، راقم السطور اور وزیر ــــــــ خانقاہ کے ایک حجرے میں بیٹھے تھے۔ میں نے وزیر کی سفارش کی۔ صوفی صاحب نے پذیرائی بخشی۔ وزیر نے ہاتھ بڑھایا۔ صوفی صاحب نے قبول فرمایا۔ اور یوں وزیر داخلِ سلسلہ ہو کر صاحبِ سلسلہ ہوا۔ حافظ صاحب نے بے ساختہ مبارک باد دی۔ وزیر نے مسکرا کر شکریہ ادا کیا۔ اس وقت ایک عجیب و غریب کیفیت دیکھنے میں آئی۔ صوفی صاحب اور وزیر آمنے سامنے تھے۔ نوجوان وزیر کا حسن و جمال اس وقت یوں لگتا تھا کہ صوفی صاحب ہی کا کپور تھلوی دور لوٹ آیا ہے اور صوفی صاحب وزیر کے ساتھ نہیں بلکہ اپنے ہی شاندار ماضی کے ساتھ ہم نشین

Marfat.com

ہیں ۔ دونوں حضرات توجہ دینے اور توجہ قبول کرنے میں مصروف تھے ۔ صوفی صاحب نے وزیر کو دنیا کی بے ثباتی کے بارے میں تھوڑی سی تلقین فرمائی ۔ صوفی صاحب سلطانِ طریقت تھے اور وزیر اپنی زبردست استعداد اور مستقبل کے مخفی امکانات کی بنا پر ــــــــ فقیروں کا بھیس بدل کر تماشائے اہلِ کرم کے لیے ہمہ تن چشم و گوش تھا ۔ حافظ صاحب اور راقم الحروف محسوس کر رہے تھے کہ مناظرِ کائنات جیسے وادیٔ فنا میں سرکتے جا رہے ہیں اور قبلہ صوفی صاحب اور وزیر ــــــــ صرف یہی دو اصحاب محبوب و مطلوب ہیں

گرد د دو جہان ہیچ چو باہم بنشینند
سلطانِ قلندر وش و ابدالِ نمد پوش

صوفی صاحب کی تلقین اور کامل توجہ سے وزیر کا انشراحِ صدر ہو گیا ۔ اس کا حاسۂ باطنی اتنا درّاک اور بُرّاق ہو گیا کہ اس سے یُمن و سعادت کے پرتوے اطراف کو پھیلنے لگے ۔ وزیر کی نگاہوں نے اس تھوڑے سے وقت میں صوفی صاحب سے اتنے حقائق و معانی جذب و اخذ کر لیے کہ آئندہ خود اُس کی نگاہ ابلاغِ حقائق پر بھرپور طریقے سے قادر ہو گئی

غمزہ را فرھنگ و دانش ترجمانی میکند
چشمِ ھند و فارسی دان گر نباشد گو مباش !

وزیر کے باطنی نشو و نما اور روحانی عروج و ارتقا میں سارے کا سارا احسان جناب صوفی صاحب کی چشمِ مخمور کا ہے ۔ لہٰذا بزمِ وزیر حضرت موصوف کی خدمت میں بدیں الفاظ زبردست خراجِ تحسین پیش کرتی ہے ۔

اے در بقایِ عمرِ تو خیرِ جہانیان
باقی مباد آنکہ نخواہد بقایِ تو

Marfat.com

# محمد وزیر

Marfat.com

اخلاص و صدق و مہر و وفا ہے وزیر میں
جُود و سخا و لطف و عطا ہے وزیر میں
تم ہی کہو کہ کیا نہیں اس میں کمی ہے کیا
میں کیا بتاؤں تم کو کہ کیا ہے وزیر میں
دیکھی ہیں میں نے اس کی چھلکتی محبتیں
میں کیسے مان لوں کہ ریا ہے وزیر میں
دنیا کا کوئی خالق و مالک نہیں تو پھر
وہ کون ہے جو جلوہ نما ہے وزیر میں
جو حُسن، ہم کو دیر و حرم میں نہ مل سکا
مرشد نظام کو وہ ملا ہے وزیر میں

معین نظامی

Marfat.com

## معین نظامی

# شیخ محمد وزیر سونی

شیخ محمد وزیر سونی ۔ ۲، فروری ۱۹۵۲ء جمعہ کو فجر کے وقت بھلوال کے ایک نومسلم تاجر گھرانے میں پیدا ہوئے. قبولِ اسلام کے بعد اپنے والدین کی پہلی اور آخری اولاد تھے. آپ کے والد صاحب نے "وزیر حیات" نام تجویز کیا. خاندانی دایہ نے "محمد" کا اضافہ کیا۔ وزیر صاحب کے چار ماموں اور پانچ چچا ہیں جو غیر مسلم ہیں اور دلّی میں اپنے وسیع کاروبار کے مالک ہیں۔ ادھر سے آج تک کوئی شخص بھارت نہیں گیا جبکہ ادھر سے وزیر صاحب کے چچازاد بھائی گاہے بگاہے پاکستان آتے رہتے ہیں۔ وزیر صاحب کے پانچ بھائی ہیں۔ شوکت حیات، لیاقت حیات، سکندر حیات، محمد حیات اور خالد حیات۔ یہ پانچوں بھائی ان سے بڑے ہیں۔ آبائی ذریعہ معاش تجارت ہے۔ خاندان کے کسی فرد نے آج تک ملازمت نہیں کی سب تجارت پیشہ ہیں۔ ان کے والد شروع ہی سے اسلام کی طرف مائل تھے۔ ان کے دوستوں کی اکثریت بھی مسلمان ہی تھی۔ ۱۹۴۷ء میں تقریباً سو افراد پر مشتمل ان کا سارا خاندان بھارت چلا گیا لیکن وہ یہیں رہے اور ایک ماہ بعد انھوں نے جامع مسجد بھلوال کے خطیب حبیب الرحمان صاحب کے ہاتھ پر اسلام قبول کرلیا۔ ان کے رشتہ دار کچھ عرصہ تو ان کے دلّی آجانے کے منتظر رہے لیکن جلد ہی مایوس ہوگئے جب ان کے قبولِ اسلام کی خبر سُنی تو رہی سہی آس بھی جاتی رہی۔

وزیر صاحب نے قاری رشید احمد صاحب جامع مسجد بھلوال سے قرآن پاک پڑھا۔ ۱۹۵۸ء میں دین کی بنیادی اور ضروری تعلیم کے لیے مولوی محمد رمضان صاحب جامع مسجد بلاک نمبر ۴ بھلوال

سے استفادہ کیا۔ پتنگ بازی اُن کے بچپن کا پسندیدہ مشغلہ تھا۔ ۱۹۷۰ء میں گورنمنٹ ہائی سکول بھلوال سے میٹرک کیا۔ کیانی صاحب انہیں انگریزی اور عربی پڑھایا کرتے تھے۔ وزیر صاحب نے مجھے بتایا کہ "کیانی صاحب بڑے نفیس انسان تھے۔ وہ میرے پسندیدہ اُستاد تھے اور مجھے کبھی نہیں بھُولیں گے۔" سکول میں کسی بھی لڑکے سے اُن کی گہری دوستی نہیں تھی۔ ہم جماعت اور پڑوسی ہونے کے ناتے، دوسروں کی نسبت، ساجد صفدر صاحب سے زیادہ تعلق تھا۔ سکول میں انہوں نے تقریری مقابلوں، مذاکروں اور مباحثوں میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا جس سے اُن کی خوابیدہ صلاحیتیں بیدار ہوئیں اور ان کی ذات میں پاسِ آداب، شائستگی اور نکھار پیدا ہوا۔ ان کی تعلیمی حالت بہت زیادہ معیاری تو نہیں تھی بہرحال اچھی تھی۔ کھیلوں میں انہیں بیڈمنٹن سے بڑی دلچسپی تھی اور وہ اس کے عمدہ کھلاڑی رہے ہیں۔

بھلوال کالج میں داخل ہوئے تو سائنس کے مضامین کا انتخاب کیا۔ ۱۹۷۱ء میں ایک سال سائنس پڑھ لینے کے بعد سائنس سے ان کا دل اُچاٹ ہوگیا اور انہوں نے اکتا کر کالج چھوڑ دیا۔ ۱۹۷۲ء میں آرٹس سے پرائیویٹ ایف اے کا امتحان دیا اور سیکنڈ ڈویژن میں کامیاب ہوئے ۱۹۷۴ء میں سیکنڈ ڈویژن میں بی اے کیا۔ کالج کے ابتدائی دنوں میں شعروشاعری سے خاصا لگاؤ تھا۔ ایک دو بار خود بھی طبع آزمائی کی تھی۔

کالج میں صاحبزادہ غلام نظام الدین صاحب کے زیرِ نگرانی قائم کیے گئے "آرٹ سرکل" کے صدر رہے۔ تین تاریخی ڈراموں "شیخو" "چنگیز خاں" اور "انارکلی" میں بالترتیب مہرتاج کنیز، ملکہ تبت اور انارکلی کے روپ میں حصہ لیا۔ اپنے حُسنِ کارکردگی کے صلے میں پہلے ڈرامے میں خصوصی انعام اور دوسرے دو ڈراموں میں پہلا انعام حاصل کیا۔ کالج میگزین "ثمر بار" کے مُدیرِ مُعاون بھی رہے۔

۱۳ اپریل ۱۹۷۹ء جمعہ کو شورکوٹ کے ایک نَومُسلم گھرانے میں شادی ہوئی۔ ایک بچی اور ایک بچے کے باپ ہیں۔ بھلوال کے معروف صنعت کار اور ممتاز تاجر ہیں۔ میرے

Marfat.com

سوال کے جواب میں انہوں نے بتایا کہ۔ "تول اور بول میں نرمی تجارت میں کامیابی کی علامت ہے" اور یہی ان کا خاص کاروباری اصول ہے۔ حافظ محمد یوسف سدیدی کی سیرت و کردار اور ان کے فن سے بے حد متاثر ہیں اور وہ ان کی پسندیدہ شخصیت ہیں۔ سیر و سیاحت کے بھی زیادہ شوقین نہیں صاحبزادہ غلام نظام الدین صاحب اور حافظ یوسف سدیدی صاحب کے ہمراہ لاہور پاکپتن، سیال شریف اور مری کا اکثر سفر کیا ہے۔ صاحبزادہ صاحب کا قطعہ "بچشمانِ وزیر" بیحد پسند ہے۔ زیادہ تر اسلامی کتب پڑھتے ہیں۔ آج کل "تذکرۃ الاولیاء" کا مطالعہ کر رہے ہیں۔

ورفعنا لک ذکرک ورفعنا لا

وَرفعنا لک ذکرک

# کچھ تو لگے گی دیر سوال و جواب میں

س:۔ مُعینؔ نظامی

ج:۔ شیخ محمد وزیرؔ سونی

۲۵ فروری ۱۹۸۳ء جمعۃ المبارک کو بھلوال میں ایک نجی محفل میں وزیرؔ صاحب سے چند باتیں۔

س:۔ کیا آپ صاحبزادہ غلام نظام الدین صاحب کے شاگرد رہے ہیں ؟ ان کی طرزِ تدریس کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے ؟

ج:۔ یس بی اے میں پیر صاحب کے پاس اُردو پڑھتا رہا ہوں۔ اُن کا لیکچر اکثر و بیشتر "عشق" کے موضوع پر ہوتا تھا۔ "شاخِ گل" میں اُنھوں نے خود کہا ہے:

عشق پر بھی اگر نہ بات کریں
پھر تو موضوعِ گفتگو ہی نہیں

وہ کورس بہت کم پڑھاتے، لیکن جتنا بھی پڑھاتے اور جب بھی پڑھاتے ٹھیک ٹھاک پڑھاتے۔ آہستہ آہستہ بولتے تھے آواز اتنی مدہم ہوتی تھی کہ آخری بنچوں پر بیٹھے ہوئے لڑکے بمشکل سُن پاتے تھے: کبھی کبھی پیریڈ بہت جلد چھوڑ دیتے کالج میں لڑکے ان کی ناقابل فہم شخصیت

---

لے نظیری نیشاپوری ؎ ز دوست می آیم پیام عشق بر لب ہا
بہ تلقینے کنم آزاد طفلاں راز مکتب ہا (معین نظامی)

اور پُراسرار مزاج و کردار کے متعلق بڑے دلچسپ اور رنگین تبصرے کرتے تھے۔ ان کی طرزِ تدریس کے متعلق میں اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہہ سکتا۔

س:۔ پہلی ملاقات؟ ——— تعلقات کی ابتدا؟

ج:۔ پیر صاحب سے میری پہلی ملاقات، اکنامکس کے پروفیسر ابراہیم صاحب کی معرفت سٹاف روم میں ہوئی۔ پیر صاحب کے عزیز دوست کریمؔ صاحب اُن کے پاس بیٹھے تھے، ایسے میں بھلا وہ کسی اور طرف کیسے متوجہ ہو سکتے تھے۔ اُس دن وہ بڑی بے نیازی سے پیش آئے لیکن مَیں نے اچھا یا بُرا کوئی بھی تاثر نہ لیا۔ پیر صاحب کالج میگزین "ثمر بار" کے ایڈیٹر تھے۔ میگزین کی اشاعت کا پروگرام بنا تو انہوں نے لڑکوں سے رابطہ رکھنے اور اُن سے تخلیقات وصول کرنے پر میری ڈیوٹی لگا دی۔ یُوں اُن سے رسم و راہ بڑھی پھر ڈراموں میں میری اچھی اداکاری سے متاثر ہو کر وہ میری طرف اور زیادہ متوجہ ہوئے۔ اسی دوران ——— فروری ۱۹۷۲ء میں ماسٹر وارث چشتی صاحب اور ہدایت اللہ کے ہمراہ پہلی بار اُن کے درِ دولت پر معظم آباد (مرولہ شریف) حاضری دی۔ اُسی رات رمضان المبارک کا چاند نظر آیا دوسرے دن ہم پہلا روزہ رکھ کر واپس ہوئے۔ اس کے بعد کالج کنٹین، کریم ڈرائی کلینرز اور بعض دوسری جگہوں پر اکثر ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ ان محفلوں میں مختلف لڑکوں اور اساتذہ کے علاوہ فارسی کے پروفیسر عبدالشکور تسلیم صاحب بطورِ خاص شریک ہوا کرتے تھے۔

پیر صاحب اپنے دوست کریمؔ صاحب کی بے حد تعریف کیا کرتے تھے۔ اس سلسلے میں ان کے دو شعر مجھے یاد ہیں۔

ہے شور چار سُو مرے ذوقِ سلیم کا
اِس طرح نام لیتا ہوں عبدالکریم کا

اور: کریمؔ مضمر ہے میرے اندر وہ روح میں ہے رواں سراسر
کہ جیسے خوشبو گلاب میں ہے کہ جیسے نشہ شراب میں ہے

Marfat.com

ان باتوں اور شعروں سے میرے دل میں کریم صاحب کو قریب سے دیکھنے اور اُن سے باتیں کرنے کی خواہش پیدا ہوئی۔

کریم صاحب نون شوگر مل میں ملازم تھے۔ ایک دن میں ایک دوست کے ساتھ انہیں ملنے گیا، راستے میں۔ یونہی باتوں باتوں میں ازراہِ مذاق میں نے کہا کہ "اب کریم صاحب کا بوجھ میں بٹاؤں گا۔" مل پہنچے تو آگے پیر صاحب بھی موجود تھے۔ بعد میں جلد ہی انہیں میری بات بتا دی گئی اور پھر کریم صاحب کا سارا بوجھ مستقلاً مجھے ہی اُٹھانا پڑا۔

س:۔ پیر صاحب سے اپنے تعلق کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے۔

ج:۔ ہمارا تعلق مادی نہیں روحانی ہے اور مجھے دلوں کا یہ تعلق ابدی لگتا ہے۔ میرے خیال میں میرے والد کے یہاں رہنے اور مسلمان ہو جانے میں یہی مصلحت تھی کہ خدا کو یہ تعلق بنانا منظور تھا۔ پیر صاحب جتنی محبت مجھ سے کرتے ہیں اُتنی ہی میں بھی ان سے کرتا ہوں یوں حساب برابر ہے۔ ہاں ایک فرق ہے اور وہ یہ کہ ——— پیر صاحب ہر وقت ہر جگہ اور ہر کسی کے سامنے اظہار کرتے رہتے ہیں جب کہ میں اپنے جذبوں کو ننگا کرنا اچھا نہیں سمجھتا۔ اس کے باوجود بھی کبھی کبھی تو شدتِ جذبات سے مغلوب ہو کر میں کچھ ایسی باتیں کر جاتا ہوں کہ خدشہ ہونے لگتا ہے کہ کہیں وہ اکتا ہی نہ جائیں اور پھر اس احساس سے بڑی ندامت ہونے لگتی ہے

س:۔ پیر صاحب آپ سے کیسی باتیں کرتے ہیں

ج:۔ پاگل پن کی ——— خلل دماغ کی۔ آج کل کے کاروباری معاشرے میں عشق و محبت کی باتیں اسی کے ذیل میں آتی ہیں۔

س:۔ اس تعلق کا کوئی عجیب واقعہ ؟

ج:۔ یہ تعلق بذاتِ خود ہی سب سے بڑا عجوبہ ہے۔ اس کی ہر بات عجیب ہے اس کا ہر واقعہ نرالا ہے۔

س:۔ اس بارہ سالہ تعلق اور قربت کی روشنی میں پیر صاحب کے مزاج کے متعلق آپ کی کیا

Marfat.com

رائے ہے۔؟

ج:۔ بڑے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ میں بھی اُن کی مزاج شناسی کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ ان کی طبیعت کا جذباتی اُتار چڑھاؤ میرے فہم سے بالاتر ہے۔ میں انہیں پوری طرح نہیں سمجھ سکا۔ دنیا میں شاید ہی کوئی ایسا خوش نصیب ہو جو انہیں سمجھ سکتا ہو۔ وہ مجھ سے زیادہ سے زیادہ وقت لینا چاہتے ہیں۔ آپ خود سوچیں آخر کار ایک کاروباری انسان زیادہ سے زیادہ کتنا وقت دے سکتا ہے؟ اس بے جا شکایت کی بنا پر وہ کبھی کبھی مجھ سے ناراض ہو جاتے ہیں میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ ان کا دل ناراض ہونے کو نہیں چاہتا بلکہ میں تو سمجھتا ہوں کہ وہ دل سے کسی پر ناراض ہو ہی نہیں سکتے بس زبردستی اُوپر اُوپر سے ناراض بنے رہتے ہیں۔ ایک بار بس ذرا سی بات پر وہ چار سال مجھ سے ناراض رہے اور یہ اُن کی سب سے بڑی اور کامیاب ترین ناراضی تھی۔ کئی بار ایسا بھی ہوا کہ بھلوال میں مجھ سے مل کر گھر گئے اور پھر اُنہی قدموں پر ۳۲ میل کا تکلیف دہ سفر کر کے دوبارہ ملنے چلے آئے۔ اس عجیب و غریب صورت حال میں مجھے ان کے مزاج کا کیا علم ہو سکتا ہے؟

س:۔ "چاندنی کا شہر" آپ کے "حسن و جمال کی زبور" ہے۔ اس کے متعلق کیا خیال ہے؟

ج:۔ میں کچھ بھی نہیں ہوں، میں کسی قابل نہیں۔ بس ان کی نظرِ کرم ہے، ان کی عنایت ہے بندہ نوازی ہے۔

س:۔ اس تعلق کے متعلق آپ کے دوستوں اور عزیزوں کے خیالات؟

ج:۔ پورے شہر میں میرا کوئی ذاتی دوست نہیں ہے۔ پیر صاحب کے دوست ہی میرے دوست ہیں۔ بھائیوں کو اپنے اپنے کاروبار سے اتنی فرصت ہی نہیں ملتی کہ اس مسئلے میں دلچسپی لیں؛

اپنے ہی غم سے نہیں ملتی نجات
اس بنا پر فکرِ عالم کیا کریں؟

Marfat.com

بس عام لوگ عام سے تبصرے کرتے ہیں

س:۔ وزیر صاحب! میری درخواست پر آپ نے پیر صاحب کے خطوط کا جو پلندہ مجھے بھیجا ہے، اُسے پڑھ پڑھ کر میں تنگ آگیا ہوں۔ آپ بھی یقیناً اُکتا جاتے ہوں گے۔؟

ج:۔ ہرگز نہیں۔ دراصل بات یہ ہے کہ ——— مجھے وہ خطوط بارہ سالوں میں، مختلف اوقات میں ملے ہیں جب کہ آپ کو سب کے سب ایک ہی دن ملے اور آپ نے ایک ہی دن میں پڑھ ڈالے۔

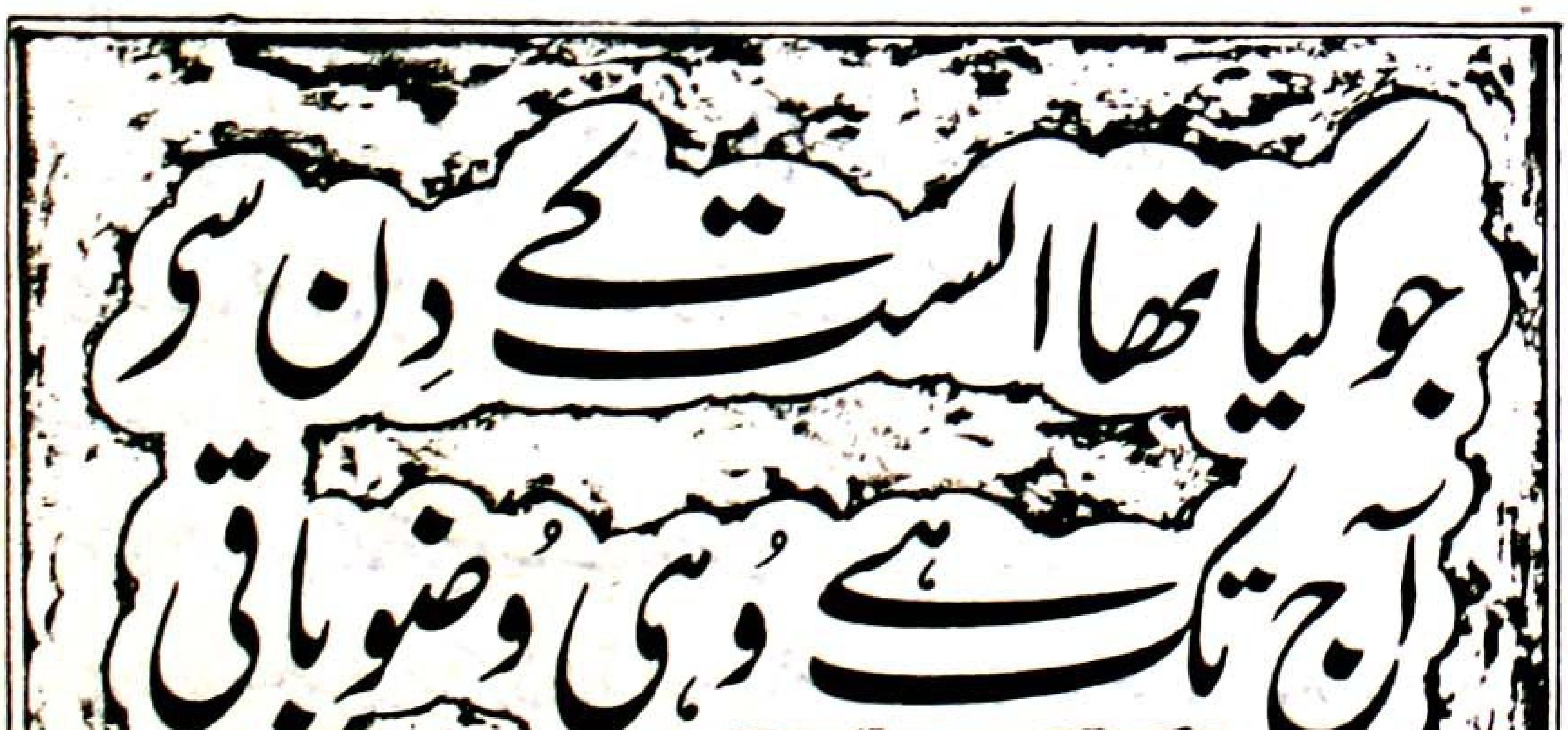


Marfat.com

# ایک شعر، ایک جُملہ

روایت: خاور اقبال
تحریر: معین نظامی

اُردو نظم و نثر پر، احسانِ عظیم ہے وزیرِ بے نظیر کی ذاتِ گرامی کا، کہ اُس کا جمالِ فوق المثال "شاخِ گُل" اور چاندنی کا شہر" جیسے دو زندۂ جاوید ادب پاروں کی تخلیق کا سبب بنا۔

اگر وزیر کی "نوری نسب" آنکھیں، حسنِ ازل کی جلوہ گاہ نہ ہوتیں تو اتنا خوبصورت شعر شاید کبھی نہ کہا جاتا ؎

"تجھ کو تری آنکھوں کی قسم ہے مرے ساجن
مجھ کو کبھی آنکھوں کے دریچوں سے بُلا لے"

اس شعر کے خالق کا، وزیر کے ساتھ جو ربطِ معنوی اور تعلقِ خاص ہے، اگر اس میں اخلاصِ جنوں، والہانہ شیفتگی، مجذوبانہ حقیقت اور قلندرانہ صداقت نہ ہوتی تو اتنی بڑی بات یقیناً نہیں کہی جا سکتی تھی۔

"چاندنی کا شہر" کا ایک جُملہ ملاحظہ فرمائیں:

"جب دریا کو بہاؤ اور ہوا کو چلاؤ سے روکا نہیں جا سکتا، تو مجھے محبت سے باز

Marfat.com

رہنے کی تلقین کیسی؟ آگ ہو اور گرمی نہ دے؛ پھول ہو اور خوشبو نہ دے؛ ستارہ ہو اور چمک نہ دے؛ مَیں ہوں اور محبّت نہ کروں"؛

(وزیر نظامی کے نام خط ۳ صفحہ ۸۶)

اس سادہ سے جملے میں کتنی زبردست جاذبیت اور کشش اور کتنی شدید قوّتِ تاثیر و تسخیر ہے!

دریا ہے کُوزہ بند کہ گلشن قفس میں ہے

یہ شعر اور یہ جُملہ پڑھ کر ــــ مجھے بخوبی اندازہ ہو گیا کہ ان کا کہنے والا کتنا بڑا صاحبِ دل، عاشق مزاج اور صاف باطن ہو گا! اور وہ "رنگینیوں کا تازہ چمن" کتنا سدابہار اور کتنا شگفتہ و شاداب ہو گا جس کی نکہت بیزیوں کی برانگیخت اور جس کی جلوہ آرائیوں اور کرشمہ سازیوں کی تحریک نے یہ کہلوایا!

میرے ناقص خیال میں، اگر "شاخِ گل" اور "چاندنی کا شہر" کے مصنّف کا ادبی سرمایہ اس ایک شعر اور ایک جملے کے سوا اور کچھ نہ ہوتا تو بھی اُن کی شخصی عظمتوں اور ادبی رفعتوں میں ذرا بھی کمی واقع نہ ہوتی۔

ــــ انتہا ــــ

Marfat.com

# یادوں کے جزیرے

## معین نظامی

غالباً ۴۳ء، یا ۴۴ء کی بات ہے۔ میری عمر دس گیارہ برس سے زیادہ نہیں ہو گی۔ میرے والدِ گرامی غلام نظام الدین صاحب اُن دنوں پھلوال کالج میں پروفیسر تھے اور روزانہ گھر سے، اپنے تانگے پر پھلوال آیا جایا کرتے تھے۔ گھوڑا بڑی اعلیٰ نسل سے تعلق رکھتا تھا۔ وہ معظم آباد سے پُھلوال تک کے یک طرفہ سفر میں ایک گھنٹہ سے زیادہ وقت کبھی نہیں لگاتا تھا۔ ہر اتوار کو چُھٹی کے دن وزیر صاحب سے ملنے کے لیے پھلوال جانا اباجان کا معمول تھا۔ وہ نماز، روزے جیسے مقدّس فریضوں کی طرح، یہ حسین و دلکش معمول کبھی قضا نہیں کرتے تھے۔

وہ بھی دن تھے جب ہر چُھٹّی تیرے ساتھ گزُرتی تھی
آج مگر رکھا ہی کیا ہے ہفتوں اور اتواروں میں،

اتوار کو مجھے بھی سکول سے چھُٹی ہوتی تھی۔ اباجان سیر و تفریح کی غرض سے مجھے بھی اکثر ساتھ لے جاتے تھے۔ مجُھے یاد ہے کہ — ایک تو چھُٹی کی خوشی اور دوسری تانگے پر پُھلوال جانے کی خوشی میں دو آتشہ اشتیاق لیے، میں بڑی شدت سے اتوار کا مُنتظر رہا کرتا تھا۔ آج نوجوانی کے اس حاصلِ عمر دَور میں، جب کہ مجھے انتظار کے بڑے بڑے خوشگوار و ناخوشگوار لمحات سے دوچار ہونے کا تلخ و شیریں تجربہ کئی بار ہو چکا ہے، میں اعتراف کرتا ہوں کہ — کسی بھی انتظار نے مجھے اتوار کے اُس سہانے انتظار جیسا مزا نہیں دیا۔

Marfat.com

میرے دل و دماغ کے نہاں خانے اور تصوّر و خیال کے طلسمکدے میں، صرف دو معصوم اتواروں کے کچھ عکس و نقش محفوظ ہیں، جنہیں مرورِ ایام نے کچھ دُھندلا تو دیا ہے لیکن بالکل محو نہیں کیا۔ جوانی کی چاندنی رات کے کسی رومانی خواب کی طرح، اگرچہ وہ تمام باتیں مجھے پُوری طرح یاد نہیں ہیں لیکن پھر بھی جو کچھ ہے، خاصا ہے۔

آپ لبِ ساحل ٹھہریے..... میں حافظے کی اندھیری اور اُجالی اُجالی تہوں میں اُترتا ہوں اور یادوں کے جو صدف ریزے یا خذف پارے برآمد ہو سکتے ہیں، آپ کے قدموں پر ڈھیر کر دیتا ہوں۔

(۱)

یادِ ماضی کی ضخیم و بوسیدہ کتاب کی ورق گردانی کے دوران، ایک سُوکھا ہوا گلاب مِل گیا۔ اس کی پتّی پتّی خوشبو دے اُٹھی۔

سردیوں کا ایک ٹھٹھرا ہوا اتوار تھا۔ ابّا جان نے ہفتہ شام ہی کو اتوار کے سفرِ بھلوال کا اتنی بار اور اس انداز میں ذکر کیا کہ اتوار کو میں صبح کی اذان سے بھی پہلے بیدار ہو گیا۔ اذان سُنی تو جی کڑا کر کے لحاف سے نکل آیا۔ ابّا جان حسبِ معمول ناشتہ کر کے باہر جا چکے تھے۔ ہاتھ منہ دھونے اور ناشتہ کرنے میں مجھے بمشکل پندرہ بیس منٹ لگے ہوں گے۔ باہر پہنچا تو بابا سردارا کوچوان (مرحوم) تانگہ تیار کیے کھڑا تھا۔ اس نے مجھے اٹھا کر اگلی سیٹ پر بٹھا دیا۔ جلد ہی ابّا جان بھی آ گئے۔ بابا سردارا پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا اور ابّا جان میرے پاس اگلی سیٹ پر بیٹھ گئے۔ تانگہ وہی چلا رہے تھے۔

جب ہم نہر کی پٹڑی پر پہنچے تو مجھے سردی محسوس ہوئی۔ ابّا جان نے اپنے کمبل کا تھوڑا سا حصّہ مجھ پر ڈال دیا۔ راستے میں سردارا مجھے مزیدار کہانیاں اور چٹ پٹے لطیفے سُناتا رہا میرے خیال میں سورج نکلتے ہی ہم بھلوال پہنچ گئے تھے۔ مجھے صحیح یاد نہیں کہ وہاں ہم کس کے پاس ٹھہرے اور کس کس سے ملے۔ ہاں اتنا ضرور یاد ہے کہ — وزیر صاحب ملے

Marfat.com

تھے اور انہوں نے مجھے ایک چھوٹی سی کتاب "سکھی شہزادہ" اور ٹافیاں دی تھیں۔ تھوڑی دیر بعد ہم واپس چل پڑے۔ شہر سے نکلے ہی تھے کہ ابّا جان نے یہ شعر پڑھا۔

سویرے سویرے تجھے دیکھ لینا
ہزاروں برس کی عبادت سے بہتر

اس وقت میرا ادبی شعور اتنا تھا کہ میں نے نہ صرف شعر کا مفہوم پوری طرح سمجھ لیا بلکہ اس سے خاصا محظوظ بھی ہوا۔ ابّا جان نے بتایا کہ یہ شعر ابھی ابھی موزوں ہوا ہے۔ گھر پہنچتے تک انہوں نے یہ شعر بآوازِ بلند اتنی بار پڑھا کہ مجھے زندگی بھر کے لیے یاد ہو گیا۔

(۲)

ایک اتوار کو ابّا جان، مَیں اور بابا سردارا، تانگے پر بھلوال کے لیے روانہ ہوئے۔ راستے میں ابّا جان نے مجھ سے کہا "مُنّے! وزیر صاحب سے ان کی تصویر مانگنا!"

مَیں خاموش رہا۔

"ایک روپیہ انعام ملے گا۔" انہوں نے میرے جذبات اُبھارنے کے لیے کہا۔ بات ختم ہو گئی۔ بھلوال پہنچ گئے۔ وزیر صاحب ملے۔ ابّا جان نے دو ایک بار آنکھوں سے اشارے سے مجھے حرفِ مطلب زبان پر لانے کو کہا۔ مجھے علم تھا کہ اگر میں نے وزیر کا عکسِ جمال حاصل کر لیا تو مجھے ایک روپے کا کورا کورا نوٹ ملے گا، بلکہ زیادہ کی توقع بھی تھی۔ تصویر کا دوسرا رُخ میرے لیے خاصا تکلیف دہ تھا۔ یعنی یہ خیال کہ اگر مجھے ناکامی ہوئی تو اُس کورے کورے نوٹ سے محروم ہونا پڑے گا۔ میں اپنی پوری کوشش کے باوجود بھی وزیر صاحب سے بات نہ کر سکا۔ آخر ابّا جان نے بابا سردارا کو واپسی کے لیے تانگہ جوتنے کا آرڈر دے دیا۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ — جب کوچوان نے آکر بتایا کہ تانگہ تیار ہے تو ہم اُٹھ کھڑے ہوئے۔ وزیر صاحب بھی تانگے تک ہمارے ساتھ گئے۔ ابّا جان جب سوار ہونے لگے تو انہوں نے وزیر صاحب کو مخاطب کر کے کہا "مُعیّن آپ کی تصویر کا بڑا

مشتاق ہے۔ اسے کوئی تازہ ترین تصویر لا دیجئے " انہوں نے کہا "ٹھیک ہے لا دیتا ہوں" وہ گھر کو گئے اور ہم چل پڑے۔ ابا جان آہستہ آہستہ تانگہ چلا رہے تھے... میں حیران و پریشان مڑ مڑ کر وزیر صاحب کا راستہ دیکھتا رہا ؎

تلفت نحو الحی حتی وجدتنی!

وجعت من الاصغاء لیتاً واخدعا

(ترجمہ) رخصت ہوتے وقت، میں نے اپنے محبوب کے گاؤں کی طرف اتنا مُڑ مُڑ کر دیکھا کہ گردن کے رگ پٹھوں میں درد ہونے لگا۔

میں طرح طرح کے خیالات میں گھرا ہوا تھا۔ کبھی سوچتا وزیر صاحب نے یونہی وعدہ کر لیا ہے، وہ تصویر لے کر نہیں آئیں گے۔ کبھی خیال گزرتا کہ وہ تصویر ضرور لے کر آئیں گے۔ مگر ہم دُور نکل آئے ہیں، ملاقات نہیں ہو گی۔ اسی خدشے کے تحت میں نے ابا جان سے کہنا چاہا کہ وہ تانگہ روک لیں مگر نہ کہہ سکا۔ گھوڑا آگے قدم بڑھاتا رہا اور وزیر صاحب کے آنے کی اُمید اُفتاں وخیزاں ساتھ چلتی رہی۔

اچانک — میں نے وزیر صاحب کو دیکھ لیا۔ وہ سائیکل پر سوار ہماری طرف آ رہے تھے۔ چند لمحوں میں وہ بالکل قریب آ گئے اور تانگے کے ساتھ ساتھ چلنے لگے۔ سائیکل چلاتے چلاتے وہ میرے ذرا اور قریب آ گئے... انہوں نے مجھے ایک سبز البم اور اپنی ایک فریم شدہ تصویر دی اور رخصت ہو گئے۔ اُن کے جاتے ہی ابا جان نے میری گود میں رکھی تصویر کی طرف ہاتھ بڑھایا، میں نے تصویر اٹھا کر دوسری طرف کر لی وہ فوراً میرا مطلب سمجھ گئے۔ چپکے سے تصفیہ ہو گیا۔ کورے کورے ایک نوٹ کی بجائے دو نوٹ میری جیب میں تھے اور تصویر اُن کے ہاتھ میں۔ خدا جانے میں زیادہ خوش تھا یا وہ؟ وہ البم آج تک میرے پاس محفوظ ہے۔

مجھے گھڑ سواری اور تانگہ چلانے کا بہت شوق تھا۔ میں اکثر بابا سردار کی منت خوشامد

کیا کرتا تھا کہ مجھے تانگہ چلانے دے۔ مگر چونکہ اُسے اجازت نہیں تھی اس لیے وہ میری ہر درخواست کو بڑی سرد مہری بلکہ بے رحمی سے مسترد کر دیتا۔ اس دن ابا جان کا مُوڈ بہت خوشگوار تھا اور وہ بات بات پر دل کھول کر قہقہے لگا رہے تھے۔ میں نے موقع غنیمت جانا اور ڈرتے جھجکتے اپنی خواہش کا اظہار کیا۔ بابا سردارا نے میری تائید کی۔ خلافِ توقع ابا جان نے فوراً اجازت دے دی۔ پھر اُن کے کہنے پر بابا سردارا نے پچھلی سیٹ پر بیٹھے بیٹھے ہاتھ بڑھا کر اُن سے باگیں لیں اور میرے ہاتھ میں دے دیں۔ ابا جان نے دس روپے اُس کی نذر کیے اور یُوں میں کوچوانی میں اُس کا باقاعدہ شاگرد بن گیا۔ میری اس دیرینہ خواہش کی تکمیل بھی وزیر ہی کے لطف وکرم سے ہوئی۔ اس کے بعد بھی مجھے اُستاد کی نگرانی میں کھُلی اور صاف سڑک پر دو تین فرلانگ تانگہ چلانے کی اجازت رہی۔

ریختہ کردی ساعدِ خونِ ہلالی ریختی
تا قیامت شُر مسار و سب وفادارے توام

# رنگینیوں کا تازہ چمن

## جناب صاحبزادہ غلام نظام الدین صاحب کی تالیف "یوسف السدیدی" سے کچھ اقتباسات

(مُعین نظامی)

" میرا عزیز ترین دوست وزیر چار سال کے طویل عرصہ کے بعد، مجھے ملنے آیا۔ اُس کے اعزاز میں، میں نے دوسرے دوستوں کو بھی دعوت پر بلایا۔ ۶ر مئی ۱۹۸۱ء بروز بدھ ۶ بجے عصر یکم رجب ۱۴۰۱ھ تیس آدمیوں کا قافلہ بھلوال سے روانہ ہوا۔ دعوت کا انتظام ملکۂ کوہسار — مری — کیا جانا تھا، لہٰذا ہم نے ایک عزیز دوست سے مزدا ویگن لے لی۔ سامانِ خورد و نوش اور دیگر اشیائے ضرورت ساتھ تھیں۔ منڈی بہاؤ الدین سے ہیڈ رسول، نہر کے کنارے کنارے ہم سرائے عالمگیر چلے گئے۔ وہاں سے جہلم - دینہ - منگلا ڈیم - میرپور ہوتے ہوئے کھڑی شریف ۲ر رجب بروز جمعرات حضرت میاں محمد صاحب "سیف الملوک" اور دمڑی والی سرکار کے مزار پر حاضری دی دربار سے فارغ ہوکر ہم بڑی نہر کے کنارے آگئے۔ کافی بڑی نہر تھی۔ پانی ٹھنڈا تھا اور ہوائے لطیف و خوشگوار چل رہی تھی۔ شب بھر کے سفر کی تھکاوٹ اور کسالت تھی۔ کچھ لوگ کھانا پکانے لگ گئے اور کچھ نہانے کی تدبیر کرنے لگے۔

میرا عزیز ترین دوست وزیر نظامی کہ اس کے پیکرِ جمیل کی کچھ ادھوری پرچھائیاں اس شعر میں جھانکتی نظر آتی ہیں:

Marfat.com

"رنگینیوں کا تازہ چمن"، "مستیوں کا ابر"

"شوخی و دلبری کا جہاں"، "جانِ دو جہاں"

میں اپنے تمام حواس سمیت اسی میں مشغول و منہمک تھا۔ دوسرے دوست وقتاً فوقتاً میرے پاس آتے اور مجھے از بس محو و مستغرق پاکر، سرک جاتے۔ حافظ محمد یوسف سدیدی صاحب بھی تشریف لائے۔ انہوں نے وزیر سے کہا کہ آپ بھی غسل کرلیں، پانی بہت ہی خوش آیند ہے، ایک ہی بار پانی جسم پر بہانے سے سفر کی ساری کوفت، اعضا کی خستگی اور طبیعت کی ثقالت دُور ہو جائے گی۔ وزیر نہر کے کنارے سر جھکائے خاموشی سے ٹہلتا رہا۔ دیر بعد اس نے حافظ صاحب سے کہا کہ ٹھیک ہے میں بھی نہا لیتا ہوں۔ حافظ صاحب لوٹا اور صابن پکڑ کر پُل کے نیچے سیڑھی پر اُترے، میں بھی ساتھ تھا۔ وزیر نے پہلے تو قدرے محجوب ہو کر توقّف کیا، لیکن مجھے ٹال نہ سکا، میں وہیں جما رہا۔ سر سے رومال اُس نے اس طرح اُتارا کہ زُلفوں کا شیرازہ بکھر گیا۔ اِدھر میں نے اپنے اندر جھانکا تو جمعیتِ خاطر رخصت تھی۔ پھر اُس نے انگلیوں کے ملائم پوروں سے زلفوں میں خلال کیا، اس سے میرے اندر اشتیاق حد سے بڑھ گیا۔

ہائے کیا شے تھی وہ اِک زُلفِ گرہ اندر گرہ
ہر گرہ دِل کی کھُلی جب مُو بمُو کھولی گئی

حافظ صاحب نے بڑھ کر رُومال لے لیا۔ پھر وزیر نے قمیص کے بند کھولے اور گردن کی بیاض اور سینے کے طشت کے واشگاف ہونے تک تو اپنے حواس ناکارہ ہو چکے تھے۔ آنکھیں دیکھ رہی تھیں لیکن شعور مُعطّل اور ادراک مُلتوی تھا،

وہ قبا کا بند تھا یا صفحۂ گُل کھُل گیا
پیرہن تھا یا بیاضِ رنگ و بُو کھولی گئی،

Marfat.com

حافظ صاحب لوٹا بھر بھر کر وزیر کو دیے جا رہے تھے اور اس نے دو تین منٹ ہی میں غسل کی شرط پوری کر کے تازہ پیرھن سجا لیا، لیکن مجھے یاد ہے کہ ـــ میں بعد میں بھی دیر تک اُسی بندِ قبا کی وا شدکے عالم تصور میں سرشارِ مستی رہا۔

" نہانے دھونے کے بعد ـــ ڈیڑھ بجے دوپہر کھانا تیار تھا۔ اکثر دوست اکٹھے ہو گئے تھے۔ کوئی ایک صاحب گنتی کرنے لگے کہ دیکھیں کون کون سے احباب حاضر ہیں اور کون کون غیر حاضر۔ وزیر کو اُس کی بے پناہ اہمیت کی وجہ سے گنتی میں لانا ایک گونہ بے ادبی تھی۔ لہٰذا شمار کنندہ نے وزیر کے بغیر ۲۹ شمار کر لیے تو میں نے حافظ صاحب کو مخاطب کر کے وزیر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ ۲۹ کا چاند وہ ہے۔ حافظ صاحب اُچھل پڑے اور بہت دیر تک محظوظ ہوتے رہے"

" جمعرات راولپنڈی ٹھہر کر اگلی صبح بروز جمعہ ہم مری روانہ ہوئے۔ مری میں، وزیر، حافظ صاحب اور راقم الحروف تینوں ایک کمرے میں تنہا بیٹھے تھے۔ میں نے حافظ صاحب کو عرض کیا کہ ایک خیال میرے ذہن میں گردش کر رہا ہے۔ کاش کوئی شاعر اسے نظم کر کے جاودانی بنا دیتا۔ حافظ صاحب نے پوچھا خیال کیا ہے؟ میں نے کہا اسی وزیر کے بارے میں ہے۔ حافظ صاحب نے کہا خیر وہ تو ظاہر ہے، آپ کا خیال۔ وزیر کے علاوہ اور ہو بھی کیا سکتا ہے؟ چنانچہ میں نے خیال پیش کیا کہ ـــ لوگ ہجر و فراق کے عذابِ الیم سے تنگ آکر، محبوب کی مجبوریوں کو فراموش کر کے، جذبات کے ہاتھوں مجبور ہو کر محبوب کو سنگدل یا سنگپارہ کہ ڈالتے ہیں۔ چنانچہ میں وزیر کو اگر محض روایت ہی سے مجبور ہو کر پتھر کہہ دوں تو پھر بھی یہ پتھر دوسرے پتھروں سے ممتاز ہو گا۔ دوسرے لفظوں میں اگر میرا محبوب مجھ سے تنگ آکر، زندگی کا روپ بدل کر، ردائے سنگ اوڑھ لے یا حجریاتی قالب اختیار کر لے تو عام لوگ، جو اُس کے مقامِ ارفع و اعلیٰ سے واقف تک نہیں ہیں ـــ وہ بھی اُسے راستے کا پتھر بنانے یا بنیادیں اینٹ روڑے کے طور پر کھپانے یا دوری اور چولھا بنانے کی بجائے

اسے کم سے کم سزا یہ دیتے کہ نہایت عقیدت و شوق سے ایک بُت کی صُورت میں ڈھال کر بُت خانے میں سجا دیتے۔ یعنی اے محبوب! میری محبت اور میرے جوشِ جنوں اور عرضِ نیاز سے اگر تم بیزار ہو کر پتھر بن جاؤ تو پھر لوگ تمہیں بُت بنا کر پُوجنا شروع کر دیں گے اور تمہاری فیلنگ میں کچھ کمی نہ ہوگی۔

منطقی نتیجہ یہ ٹھہرا کہ — اے محبوب! میرے ہی ساتھ صلح کر لو، اس میں تمہارا کیا جاتا ہے؟ حافظ صاحب نے تحسین کی اور کہا کہ خیال تو بہت ہی اچھا اور شاعرانہ ہے لیکن شعر اس پر کون بناتے؟ دو دن مری کی سیر کرتے رہے لیکن میرا ذہن اِس خیال سے چھٹکارا نہ پا سکا۔ اتوار ۱۰ مئی کو حافظ صاحب راولپنڈی سے، میاں ریاض صاحب کی ملاقات کے بعد لاہور روانہ ہو گئے اور ان کے جانے کے نصف گھنٹہ بعد، اس خیال پر مبنی شعر موزوں ہو گیا۔ افسوس کہ حافظ صاحب اس وقت پاس نہ تھے۔ ورنہ اس شعر کو ہر پہلو سے جانچ کر اپنی رائے سے آگاہ کرتے۔ شعر یہ ہے:

بُت بنا کر تجھے مندر میں سجا دیتے لوگ
تُو اگر پہلے جنم میں کوئی پتھر ہوتا

نہیں معلوم جو میں اوپر کہہ آیا ہوں۔ وہ سارا کچھ اِس شعر میں آجاتا ہے یا نہیں؟

Marfat.com

# غزلیات

## نیاز محمد خاں نیاز

دل کو تسکین ملے گی جو نہ ارماں ہوگا
جتنا الجھے گا تمنا میں پریشاں ہوگا

کس طرح ضبط کا یارا دلِ ناداں ہوگا
جب ترے سامنے غارت گرِ ایماں ہوگا

مینا و ساغر و مے ساقیٔ مہ رو میکش
تیری محفل میں جو آئے گا وہ حیراں ہوگا

دل کے زخموں نے کبھی چین سے رہنے نہ دیا
میرے اللہ کوئی مجھ سا بھی پریشاں ہوگا

محفلِ یار میں چھوٹے نہ کہیں دامنِ صبر
اے جنوں کاریٔ دل تیرا یہ احساں ہوگا

اے جفاکار مجھے تیری محبت کی قسم
ایک دن تو بھی جفاؤں پہ پشیماں ہوگا

اس سے بہتر کوئی تخلیقِ محبت ہوگی
جس کی پوجا میں کروں گا وہی یزداں ہوگا

رشک آئے گا فرشتوں کو مری عظمت پر
پیشِ داور جو مرا نامۂ عصیاں ہوگا

میرے ارمانوں کی بستی کو جلانے والے
خاک بھی اس کی اڑا دے گا تو احساں ہوگا

زندگی ایک تبسم پہ لٹا دی میں نے
کیا کوئی یوں بھی ترے حسن پہ قرباں ہوگا

دلِ مجروح پہ کیا جانیے کیا گزرے نیاز
جب بھی نزدیکِ قفس ذکرِ گلستاں ہوگا

Marfat.com

حسن کا احترام اُف توبہ — عشقِ بے ننگ و نام اُف توبہ
یہ پیام وسلام اُف توبہ — سب کے سب میرے نام اُف توبہ
گامزن ایک راہ پر دونوں — میں اور وہ خوش خرام اُف توبہ
ہوگیا اِک نگہ کی جنبش سے — واجبُ الاحترام اُف توبہ
رنگ اڑنے لگا بہاروں کا — آیا جب ان کا نام اُف توبہ
مست آنکھوں میں کاجلی ڈورے — قتل کا اہتمام اُف توبہ
کون رشکِ گلاب گزرا ہے — مہکی مہکی ہے شام اُف توبہ
ان کی آنکھیں ارے معاذاللہ — بہکے بہکے سے جام اُف توبہ
سمٹ آیا ہے اُن کی آنکھوں میں — میکدے کا نظام اُف توبہ

صبح پیتا ہوں شام پیتا ہوں — تشنہ لب ہوں مدام پیتا ہوں
وہ پلاتے ہیں شوخ نظروں سے — میں بصد احترام پیتا ہوں
تیرے لطف وکرم سے اے ساقی — خوب بھر بھر کے جام پیتا ہوں
جب نسیم بہار چلتی ہے — بادۂ لالہ فام پیتا ہوں
پہلے پیتا تھا جام چھپ چھپ کے — اب برسرِ عام پیتا ہوں
بادہ نوشی مری عبادت ہے — معرفت کے میں جام پیتا ہوں
محتسب کا نیاز خوف نہیں — لے کے اللہ کا نام پیتا ہوں

Marfat.com

رنگ و بوئے بہار ہیں آنکھیں — منظروں کا نکھار ہیں آنکھیں
نکہتِ گلشنِ محبت ہیں — زینتِ حسنِ یار ہیں آنکھیں
میکشوں کے سرور کا باعث — صوفیوں کا قرار ہیں آنکھیں
حسن اور عشق کی نمود ان سے — نور آنکھیں ہیں نار ہیں آنکھیں
دل پہ جو حادثے گزرتے ہیں — اُن کی آئینہ دار ہیں آنکھیں
حسنِ مے حسنِ ساغر و مینا — میکدے کا سنگھار ہیں آنکھیں
"شاخِ گل" ہو کہ "چاندنی کا شہر" — سب کی تخلیق کار ہیں آنکھیں
ان کی ہر شے پہ حکمرانی ہے — صاحبِ اقتدار ہیں آنکھیں
کوئی تو بات ہے نیازِ حزیں — ان کی بھی اشکبار ہیں آنکھیں

❁

کیوں دھڑکتا ہے محبت کے لیے — دل بضد ہے کس مصیبت کے لیے
ربط کس کس کی جفاؤں سے رہا — صرف تسکینِ طبیعت کے لیے
میں تو کیا سب اہلِ دل ہیں بے قرار — اک تری چشمِ عنایت کے لیے
مَن کے مندر میں چلے آؤ صنم — گھر خدا کا ہے عبادت کے لیے
شہر ان کا رشکِ جنت بن گیا — عاشقانِ پاک طینت کے لیے
اے شبِ غم ہم نے صدیاں کاٹ دیں — صرف پل بھر کی رفاقت کے لیے
دیکھیے تاثیرِ الفت دیکھیے! — آتے ہیں وہ بھی عیادت کے لیے
ماتمِ عقل و خرد کرنا پڑا — دِل کو عرفانِ حقیقت کے لیے
دیکھ لینا جان دے دیں گے نیاز — ایک دن اتمامِ حجت کے لیے

Marfat.com

نیاز محمد خاں نیاز

نگاہِ یار جو برہم نہیں ہے
مجھے دنیا کا کوئی غم نہیں ہے

یہاں تو میں نہیں تم ہم نہیں ہے
یہ مے خانہ ہے بزمِ جم نہیں ہے

رفیقِ عیش و عشرت تھے ہزاروں
مصیبت میں کوئی ہمدم نہیں ہے

تمہیں شکوہ سہی میری وفا سے
تمہاری بے رخی بھی کم نہیں ہے

بہت گستاخیاں کی ہیں نظر نے
مزاجِ یار کیوں برہم نہیں ہے

کیا تو نے سمجھنے میں تکلف
ہماری داستان مبہم نہیں ہے

نیاز اُن کا مرے مرقد پہ آنا
قیامت سے ذرا بھی کم نہیں ہے

Marfat.com

نیاز محمد خاں نیازؔ

جب وہ شانوں پہ کئے زلف پریشان آیا
چھا گئی کالی گھٹا ابرِ بہاراں آیا
اور بھی ہونے لگا شدتِ غم کا احساس
جب مرے پاس مرے درد کا درماں آیا
غم و اندوہ کی پھیلی ہوئی تاریکی میں
جانے کس سمت سے یہ دورِ چراغاں آیا
فاصلے مٹ گئے دوری کا نہ احساس رہا
میرے دل میں جو خیالِ رُخِ جاناں آیا
ایسی نیند آئی تری زلف کے سائے میں مجھے
بھول کر بھی نہ کوئی خوابِ پریشان آیا
ایک مدت سے جسے تو نے بھلا رکھا تھا
پھر ترے کوچے میں وہ سوختہ سامان آیا
اُس میں تصویرِ وفا مجھ کو نظر آئی نیاز
اُن کی آنکھوں میں جو آنسو سرِ مژگان آیا

Marfat.com

نیاز احمد خاں نیاز

ان کی کوئی بھی عطا اپنی خطا یاد نہیں
وہ گناہ کیا تھا ملی جس کی سزا یاد نہیں
روٹھنا ہو تو کسی بات پہ روٹھے کوئی
ہوئے کس بات پہ تم مجھ سے خفا یاد نہیں
مجھ گنہگار پہ کیا ظلم کیا ہے تو نے
جب سے دیکھا ہے صَنم تجھ کو خدا یاد نہیں
یہ وہ گلشن ہے رہا جس میں نشیمن میرا
اب یہ عالم ہے کہ اس کی بھی فضا یاد نہیں
جس کی نظروں کے تصادم سے ہوائیں بے ہوش
اُس پری رُو کے خدوخال تھے کیا؟ یاد نہیں

Marfat.com

# غزل

ان رواجوں کی فصیلوں کو گرایا جائے
جسم کو جان سے فی الفور ملایا جائے

دوست بنیا ہے تو پھر اُسکی خوشی کی خاطر
خندہ پیشانی سے نقصان اُٹھایا جائے

جبر ہی جبر ہے یہ کھیل نہیں ہے پیارے
کیسے تقدیر کے مہروں کو ہرایا جائے

اپنے عیبوں کی طرح، اپنی بُرائی کی طرح
اپنی اچھائی کو لوگوں سے چھپایا جائے

مجھ سے واپس نہ لیا جائے مرا ذوقِ نظر
میرے دوزخ کو نہ فردوس بنایا جائے

اِن اُجالوں میں تو تنہائی کا امکان نہیں
میں جدھر جاؤں مرے ساتھ ہی سایا جائے

جانے کیوں آج مرے دل کو مسلسل ضد ہے
کہ کسی نام کو لکھ لکھ کے مٹایا جائے

ایک لمحہ ہی سہی، پھر بھی کبھی تو یارو
اُس حسیں شخص کو محفل میں بٹھایا جائے

کوئی دانش سا سخن فہم و سخن سنج نہیں
اب کلام اپنا کسی کو نہ سُنایا جائے

آج اک شخص کے آنے کی توقع ہے مُعین
آج گلدان کو پھولوں سے سجایا جائے

مُعین نظامی

# "سودائے خام"

"جھلک" کے "وزیر بے نظیر نمبر" کے لیے جناب صاحبزادہ غلام نظام الدین صاحب کے غیر مطبوعہ کلام کا انتخاب (مُعین نظامی)

○

میرے سلف تھے سارے ولی، میری شاعری
ہر کوچے میں ہے تہمتِ یوسف کی طرح عام
سیکھا ہے چشمِ یار سے اتنا نظام نے
ترکِ صلوٰۃ و صوم و قبولِ طوافِ جام

(۲۰ مئی ۱۹۶۱ء)

○

اُٹھو کہ سینۂ آفاق میں ہیں راز ابھی
چلو کہ جوفِ صدف میں ابھی ہیں بند گہر

(۲۹ جولائی ۱۹۶۱ء)

○

طوفِ حرم کعبہ پھر اُس کو نہیں لازم
قدموں پہ ترے کر لے جو ناصیہ فرسائی
کعبہ ہو کہ بُت خانہ کیا مجھ کو غرض ان سے
میں تیرا پجاری ہوں، میں تیرا ہوں سودائی

Marfat.com

ہر ننھا سا تارا بھی اک خضرِ ہدایت ہے
پُوچھ اُن سے کہ کرتے ہوں جو بادیہ پیمائی

(جولائی ۱۹۶۲ء)

○

قُدسی ہوں کہ خاکی ہوں کہ یا چرخ کے اجرام
ہیں دشتِ جُنوں میں ترے آوارگی انجام
حیراں ہوں کہ تُو نیمہ رہ ان سب کو بُھلا کر
کیوں حجلۂ اخفا میں ہے ساغر کشِ آرام

(۱۹۶۳ء)

○

باج و خراج اُجڑی ولایت سے کون دے؟
اے فوجِ غم نہ دل پہ مرے ازدحام کر
جامِ جہاں نُما ہے ترا گوشۂ ضمیر
لب جس سے آشنا نہیں میرا وہ کام کر

(۱۵، فروری ۱۹۶۹ء)

○

ہوگا یہیں کہیں دلِ ناکام دیکھنا
بچنا! کہ ہے وہ موردِ الزام دیکھنا
اہلِ نظر کے واسطے یہ نیک فال ہے
ہر نیم شب کو چہرۂ گلفام دیکھنا

Marfat.com

کل کیسے واقعات یہاں ہوں گے رُونما

اے پیرِ بادہ خانہ ذرا جام دیکھنا

اہلِ وفا کے دفترِ اسماء میں دوستو

میرے بھی دلربا کا کہیں نام دیکھنا

اس راہِ پُرخطر پہ چلو احتیاط سے

پوشیدہ ہر قدم پہ ہے اک دام دیکھنا

(۱۵، فروری ۱۹۶۹ء)

○

اے نظام آج نہیں کل تو بدلتے حالات

بے سبب کر لیا ہر شے سے کنارا تُو نے

(۱۷، فروری ۱۹۶۹ء)

○

گر مژدۂ وصل آج نہیں ہے تو لحد سے

اے فتنۂ محشر مجھے بے وقت جگا مت

کر کر کے وضو خُون سے صف بستہ ہیں عاشق

غمزے سے کہو اپنے بجا لائے امامت

یاروں کے مکاں اُونچے ہیں مایوس نہ جانا

رستہ یہ مرے گھر کا ہے اے سیلِ ندامت

(۲۳، فروری ۱۹۶۹ء)

○

Marfat.com

حکایتِ دلِ ناداں ہمیں سُنانے دو
ہماری بزم میں جو آئے اُس کو آنے دو

(۲۷ر جنوری ۱۹۶۹ء)

○

نقش و نگارِ حُسن میں رنگِ دوام ہے غلط
عشق ہے صرف جاوداں باقی تمام ہے غلط
جنّت و حور کی ہوس دل میں مرے نہ آسکی
تیرے اسیر کے لیے دانہ و دام ہے غلط
عشق کو تُو نہ طے کرا غیر ضروری مرحلے
آنکھوں کو نیم باز کر، بادہ و جام ہے غلط
میری نہ سُن سکو تو پھر اپنے ہی دل سے پوچھ لو
میرا قصُور کچھ نہیں قولِ عوام ہے غلط
فکر بھی کج، نظر بھی کج، علم بھی کم، عمل بھی کم
سارا نظام ہے خراب سارا نظام ہے غلط

(۳ر جولائی ۱۹۶۹ء)

○

بڑے خلُوص سے ٹُوٹے دلوں کو جوڑا کر
کہ بس یہی ہے زمانے میں دیر پا نیکی

(۱۲ر جولائی ۱۹۶۹ء)

○

Marfat.com

کاش اک دن اِدھر وہ آجائے — کاش پھر وہ کہیں بھی جا نہ سکے
دوست بیٹھے تھے، بات کہ ڈالی — دل کی آواز ہم دبا نہ سکے

(۱۷ر جنوری ۱۹۷۰ء)

دونوں عالم میں کامیاب ہوا
تیرے ہاں جو بھی باریاب ہوا
تُو چھپا تھا یہیں کہیں دل میں
میں یونہی چارسُو خراب ہوا

(۳۰ر جنوری ۱۹۷۰ء)

○

کیوں کر نہ ہو وہ فکرِ دو عالم سے بے نیاز
حاصل تری نظر کی ہوں جس کو حمایتیں

(۱۹ر فروری ۱۹۷۰ء)

○

Marfat.com

# شہریارِ جمال

عزیزِ گرامی محمّد وزیرا　　فروغِ مہ و آفتابِ منیر
شرافت مآب و لطافت پناہ　　نزاکت سرشت و نفاست خمیر
جمالِ شمائل، کمالِ خصائل　　زہے دلفریب و زہے دلپذیر
صبیح و ملیح و حسین و جمیل　　فقید المثال و عدیم النظیر
پراگندہ زلف و شکر خندہ لب　　درخشندہ سیما و روشن ضمیر
خوشا زُلفِ مشکیں شکن در شکن　　بہر حلقہ صد لشکرِ دل اسیر

فسونِ محبّت سے سرشار و بیخود
زمین و زمان و نظامِ فقیر

غُلام نظام الدّین

کب اِس دلِ بے تاب سے ہے اتنی توقع
لے نام کوئی تیرا تو یہ آنکھ نہ چھلکے

Marfat.com

# "دیارِ جاناں"

بھُوپال ہی جیسے دو جہاں ہے
دِلّی ہی گئے نہ ہم بخارا

O

موتی مرے سب لُٹ گئے بھُوپال میں ورنہ
ساماں مرا شیراز د صفاہاں کے لیے تھا

O

اہلِ بھُوپال سے ملنے والوں کو
کس قدر جلد بھُول جاتے ہیں
جیسے بچّے مسل کے پھُولوں کو!
پھینک کر، جلد بھُول جاتے ہیں

غلام نظام الدّین

آنکھیں تری لبریزِ تجلّی ہیں کہ جن سے
کیا کیا نہ معانی ہمیں الہام ہوئے ہیں

کُندن سا بدن تیرا ہے دریائے لطافت!
آنکھوں کے جزیرے ہیں کہ دو پھُول کنول کے

Marfat.com

## "وزیر"

کوئی تیرا نظیر کب ہو گا
بلکہ عشرِ عشیر کب ہو گا
دلربا سب ہی خوب ہیں لیکن
ان میں کوئی وزیر کب ہو گا

یہ جو عہدِ شباب کے دن ہیں
انتہائی عذاب کے دن ہیں
خیر تیری وزیر ہو! تیرے
حُسنِ شہرت مآب کے دن ہیں

## انتظارِ مرگ

کُچھ نہ کچھ آج ہونے والا ہے
قبل اس کے کہ صبح کی اذاں ہو
احباب ہیں جمع سب سرہانے
اس وقت وزیر تُم کہاں ہو

غلام نظام الدّین

Marfat.com

# شاخِ گُل

پیشکش بہ حضورِ — شہر یارِ جمال شیخ محمد وزیر سونی — دام حسنہ د جمالہ

(۱)

دل کو جو تیری یاد سے پیوستگی رہی
غمخوارِ شوق اپنی زِخود رفتگی رہی

دل پھٹ رہا تھا غم سے، مگر تیرے رُو بہ رُو
لب پر مثالِ غنچہ فروبستگی رہی

اتنا ہی محترم ہے وہ دنیائے عشق میں
جتنی کسی کو آپ سے وابستگی رہی

اتنے مرے قریب وہ شب بھر رہے کہ بس
مالع مری مجال کو شائستگی رہی

آنکھیں قمارِ عشق میں گوہر لُٹا گئیں
دل کے نصیب میں ہمہ تن خستگی رہی

(۲)

میرے پہلو میں فروزاں ترا پیکر ہوتا
دیدۂ دہر میں دائم یہی منظر ہوتا

بُت بنا کر تجھے مندر میں سجا دیتے لوگ
تو اگر پہلے جنم میں کوئی پتھر ہوتا

آنکھ جب کھولوں تو آگے میں تجھی کو پاؤں
اتفاق ایسا خدا کرتا کہ اکثر ہوتا

دیکھتے لوگ کہ پھر سر کے عوض لاش اُٹھتی
سجدۂ شوق اگر آپ کے در پر ہوتا

خوف پھر گرمیِ محشر کا ستاتا نہ مجھے
گر تری زلف کا سایہ مرے سر پہ ہوتا

حسن تکرارِ تجلی کا روادار نہیں
عکس کب آئنہ میں تیرے برابر ہوتا

باور آتا مجھے فردوسِ بریں کا قصّہ
تُو جو اک دن مری آغوش کے اندر ہوتا

کیا حقیقت سے ہمیشہ ہے تخیُّل آگے
کیوں یہ کہتے ہیں کہ یُوں ہوتا تو بہتر ہوتا

نالہ و گریہ سے عُشاق کو فرصت ملتی
تجھ کو گر حرفِ وفا ایک بھی از بر ہوتا

Marfat.com

لذتِ وصل سے کچھ عشق کو حاصل نہ ہوا — تُو جو مل جاتا تو آشوبِ مقدر ہوتا

وہ تو افسانۂ ماضی تھا، حقیقت اب ہے
یوسف اس دور میں تجھ سے تو نہ بڑھ کر ہوتا

(۳)

ہم راہ پہ بیٹھے تھے اک جھونکا باد کا وقتِ شام آیا — یُوں ہم لپکے مجبوری میں جوں دلبر کا پیغام آیا
تھا عید کا دن اور ہر جانب سے نامے یاروں کے نام آئے — حسرت سے بہت دیکھا ہم نے، اک نامہ نہ اپنے نام آیا
یہ دورِ دراز کی امیدیں اور تکیے بھروسے گوناگوں — ساماں کیا تھا جمع بہت، پر کچھ بھی نہ میرے کام آیا
سوتے میں کھُلے جو لب میرے، کہتے تھے قریب بیٹھے میرے — اک آہ ہوئی سرزد اور اسکے ساتھ ہی تیرا نام آیا
جب بکھری اس کی زلفِ سیہ اور جھلکا نیچے گورا بدن — یوں ہم نے جانا جیسے اب خود فتنہ زیرِ دام آیا
ساقی کے تیور برہم تھے، رندوں کے تقاضے پیہم تھے — تم کیا جانو کس مشکل سے ہم تک تھا دورِ جام آیا
خود رُخ سے اُس نے نقاب اُٹھا، خود زلف میں اس نے بل ڈالا — ہم تڑپے تو بے صبری کا پھر ہم پہ کیوں الزام آیا
کتنا ہی کڑا پل وہ پل تھا، اور کتنی ہی بھاری تھی وہ شب — اک آخری ہچکی پر جب تیرے بسمل کو آرام آیا
ہوش و ہمت، صبر و طاقت، سب نے لمبی رخصت لے لی — پہلو سے جب اُٹھ کر تیرے گھر چلنے کا ہنگام آیا

پُرزے پُرزے جیب و داماں، دل کی بستی ویراں ویراں
آگے اپنے کتنا آساں الفت کا انجام آیا

(۴)

دو دن کا تو جیون ہے یہ، کیا کیا کرتا ہے سامان — جیسے تیسے کٹ جائے گی، کیا مشکل اور کیا آسان
جس کے آگے دھرتی کانپی، لرزے ہفت افلاک — آخر اس اک دل میں آ کر سمٹا وہ طوفان
لمبی تان کے سونا کیا، اور پاؤں بھی پھیلانے کیا — اس دنیا میں جو بھی آیا، دم بھر کا ہے وہ مہمان
بجلی آ کر گھور گئی اور کوندا لپکا کتنی بار — منوا لو بھی ہاتھ ملے ہے کیوں جوڑا یہ سب کھلیان
کفر و ایماں اپنی اپنی جا پر دونوں برحق ہیں — چہرا تیرا عینِ ایماں، زلفیں تیری کفرستان

Marfat.com

ڈنکا جن کا بجتا تھا اور سکہ جن کا چلتا تھا　　خاک میں مل کر خاک ہوئے ہیں کیسے کیسے طغرل خان
جب بھی ہم اک سیج پہ سوتے، گاہک آتا میرے ہوتے　　رہ جاتا میں روتے روتے، مایہ سمجھے پھر دھنوان
چودہ صدیاں بیتے بیتیں، جگ تھکنے رجنے نہ پائے　　نکھی اپّیا کا ناؤں بھی کتنا من موہن ہے عالیشان
لفظ و معنی بارِ خاطر گر ہوں یکسر بے تاثیر　　دل لگتا سا بول بھلا اک یا دس کیلو کا دیوان
کس کس حسرت سے میں تیری جانب تکتا رہتا ہوں　　تو جو جھانکے مہر سے مجھکو، سو سو باری میں قربان

میرے خول سے نکلے گا اب ایسا ایک بلند انسان
جس کے آگے سر دھر دے گا دھرتی کا اک اک شیطان

○

اب دل بھی ہے دردمندا تیرا　　جاں کو ہے ستم پسند تیرا
سچ پوچھ تو جان و دل سے پیارا　　لگتا ہے ہر اک گزند تیرا

○

آؤ کہ آہِ سرد سے روح مری اُداس ہے　　درد کے ماروں کو مگر دردِ الم ہی راس ہے
کالی گھٹا کا ہے عمل، سرد ہوا کا ہے عمل　　آئے گا اس گھڑی کوئی دل کو کسی کی آس ہے

○

شہر میں مجھ سے نہیں بڑھ کر کوئی بدنام تر　　اور تیرے عشق میں بھی خستہ و ناکام تر

○

نازک معاملہ تھا بہت، دل مُشیر تھا　　الفت کے مرحلے ہی میں غم دستگیر تھا

○

میرے محبوب ہو تم، قادرِ مطلق تو نہیں　　پھر یہ اک بات مجھے کہنے میں کچھ باک نہیں
جتنے بگڑے نظر آتے ہو بظاہر مجھ سے　　اتنے اندر سے تو شاید کہ غضبناک نہیں

Marfat.com

عشق نے ازبس کہ کی میری پذیرائی بہت
میں ہوا مشہور پہلے سے بھی سودائی بہت

زخمِ دل سیرِ عزیزاں کے لیے مت پیش کر
ہیں یہاں غم خوار تھوڑے اور تماشائی بہت

ضبط بھی ملحوظ تھا، لیکن زبانِ غیر سے
آج سن کر نام تیرا آنکھ بھر آئی بہت

دورِ حاضر کی غزل ہم نے بھی دیکھی مو بہ مو
شور و شیون سے تہی اور مصرع آرائی بہت

درد پھر بھی میرے دل کا روز افزوں ہی رہا
چارہ گر نے کی مری خاطر مسیحائی بہت

ذکر اس کا کس نے چھیڑا پھر ہمارے سامنے
بڑھ چلی پھر حد سے اپنی ناشکیبائی بہت

آخر آخر میں ندامت کے سوا کچھ بھی نہیں
عشق میں پہلے پہل ہوتی ہے رسوائی بہت

حالِ دل ہوتا ہے کب سارے کا سارا منکشف
ہر سمندر سے ہے دل کی تہ میں گہرائی بہت

اے مسافر چل چلا چل عشق میں منزل نہیں
ہم نے بھی اس دشت میں کی جادہ پیمائی بہت

تم اٹھاؤ دوستوں سے مل کے لطفِ زندگی
مجھ کو مرنے کے لیے ہے کنجِ تنہائی بہت

Marfat.com

کشورِ سودا ہے جب سے میرے زیرِ انتظام
شہرۂ عالَم ہے میری بے سروپائی بہت

نازک معاملہ تھا بہت، دل مشیر تھا — الفت کے مرحلہ ہی میں غم دستگیر تھا
اوروں کے واسطے جو نہ تھا فردِ انجمن — میرے لیے وہ شخص بہت ناگزیر تھا
پہروں پھرکنا اور نہ لینا کسی کا نام — اے دوست اُن دنوں ابھی میں لَوا سیر تھا
اگلوں کے اور اپنے بھی یکساں ہیں زخمِ دل — ہر جلوے کا خمیر جمالِ وزیر تھا
ماحول تجھ سے پُر، مگر آغوش تشنہ کام — تیرا وجود نکہتِ گل سے خمیر تھا
تو ساری عمر مجھ سے الجھتا یونہی رہا — شاید کہ مجھ میں تو ہی سراپا ضمیر تھا
جب تم ہوئے تھے غیر سے مشغولِ اختلاط — میں آتشِ نہفتہ سے شعلہ پذیر تھا
کر کر کے یاد روتا ہوں اپنے رقیب کو — آخر وہی تو ایک مرا ہمصفیر تھا
ہندو بچے سے رکھتا تھا در پردہ شغلِ خاص
ہاں ہاں وہی نظام جو کامل فقیر تھا

تجھ سے ہے لطفِ زندگی اے جانِ آرزو — عالم تمام تیرے لیے محوِ جستجو
چہرا ترا صحیفۂ اسرارِ معرفت — پیکر ترا حدیقۂ گلزارِ رنگ و بو
اب میں ہوں اور مشربِ دینِ قلندری — منہ سے مرے لگائیے یکدم کئی کدو
کچھ شوقِ زندگی ہے نہ کچھ ذوقِ شاعری — جب سے ہیں میکدہ میں نگوں ساغر و سبو
کیوں دم بخود سے رہ گئے یارانِ انجمن
نے شغلِ آہ و گریہ ہے نے جشنِ ہاوہو

Marfat.com

غم کر نہ اس قدر مرے حالِ تباہ کا — میں منتظر ہوں پھر تری ترچھی نگاہ کا
سر پر ہے میرے تاج تری خاکِ راہ کا — رتبہ ہے کیا بلند مری عزّ و جاہ کا
شرکت مشاعرہ میں ہو کیسے مجھے قبول — ہرگز نہیں ہوں تشنہ میں اس داہ واہ کا
کچھ اس پہ کارگر نہیں روح القدس کی پھونک — سودا زدہ ہے جو تری زلفِ سیاہ کا
ناقص عمل کو کیسے کروں ھدیۂ حضور — یارب نہ لے حساب تو میرے گناہ کا
خورشیدِ خاوری مجھے دیتا نہ پھر خراج؟ — ہوتا جو ایک ذرّہ میں اس بارگاہ کا
جب تک کہ جسم و جاں نہ بنیں ہم۔ نہیں پسند — ملنا ترا مجھے سرِ رہ گاہ گاہ کا
بخشو گے دوسروں کو تو خود بخشے جاؤ گے — برحق ہے قول شیخِ طریقت پناہ کا
مت چھیڑ ہمنشیں مری الفت کی داستاں — قصّہ نیا نہیں ہے مری اشک و آہ کا
دل مٹ چکا ہے جان سے اے غم نہ کر دریغ — میں جانتا ہوں خوب طریقہ نباہ کا
میری نظر سے دیکھو تو ہے ایک آشیاں — تیری نظر میں ہے جو پلندہ گیاہ کا
زلفوں سے دل چھٹا تو نظر ہوش لے اُڑی — حق مدعی سے بڑھ کے ہے مجھ پر گواہ کا
بوسہ ترے قدم کا اگر مجھ کو ہو نصیب — طرّہ بلند ہو مری طرفِ کُلاہ کا

غمزہ ترا تو عشوہ و نازو ادا ترے
اک میرے دل پہ حملہ اور اتنی سپاہ کا

تھی یہ بھی التفاتِ نہانی کی طرزِ خاص — یُوں دیکھا اُس نے، جیسے مجھے دیکھتا نہ تھا

Marfat.com

بے شک تری اُلفت کا کچھ ایسا ہی اثر تھا
منظر مری ہستی کا ہلاکت سے بَتر تھا

تو تھا کہ خدا تھا، مجھے کچھ ہوش نہیں ہے
جلوہ ترا جھلکا کہ یہ نیرنگِ نظر تھا

تو سب سے موافق ہی رہا، تیرے سبب سے
مجھکو مگر اے دوست دو عالم سے حذر تھا

چارہ کوئی چھوڑا نہ مرے چارہ گروں نے
ناداں یہ نہ سمجھے مرا اندوہ دگر تھا

پہنچے ہیں درِ یار پہ سب اہلِ محبّت
رستہ مرا کچھ مختلف اوروں سے مگر تھا

بستا مرے دل میں ترا احساں ہے، وگرنہ
تیرے لیے یہ گوشہ نہ شایانِ گذر تھا

اب عشقِ بلاخیز نے کرلی مری بیعت
میں ورنہ ہر آفت کے لیے سینہ سپر تھا

Marfat.com

# عید مبارک

(بحضورِ وزیر)

عید کا چاند جب نظر آیا — لوگ کوٹھوں پہ سب مچلنے لگے
تجھ کو ماحول میں نہ پا کر دوست — کتنے آنسو تھے جو نکلنے لگے

عید کا چاند جب نظر آیا — تجھ کو پانے میں کھو گئیں آنکھیں
تُو نہ آیا نظر تو پھر جیسے — صاف پتھر کی ہو گئیں آنکھیں

عید کا چاند جب نظر آیا — شادمانی کے شادیانے بجے
لیکن اس وقت تم نہ تھے موجود — اشکِ حسرت پلک پلک پہ سجے

عید کا چاند جب نظر آیا — دل کو فوراً ترا خیال آیا
کب ملیں گے؟ کہاں ملیں گے ہم! — ذہن میں پھر یہی سوال آیا

عید کا چاند جب نظر آیا — تُو کہ پیشِ نظر نہ تھا موجود
راحتِ جان و عشرتِ شبِ عید — اپنی قسمت سے ہو گئی مفقود

عید کا چاند جب نظر آیا — دل کو تیری تلاش جاری تھی
لوگ مصروفِ عیش و عشرت تھے — ہم کو درپیش آہ و زاری تھی

Marfat.com

عید کا چاند جب نظر آیا — تیری صورت کو ہم ترستے رہے
حسرتِ بے حساب کے بادل — چشمۂ چشم سے برستے رہے

○

عید کا چاند جب نظر آیا — بن گئے لوگ دید کے قابل
چونکہ ملنے ہمیں نہ تم آئے — نہ رہے ہم تو عید کے قابل

○

عید کا چاند جب نظر آیا — ختم محنت کا ایک دور ہُوا
تم ہی مقصود تھے۔ جو تم نہ ملے — رنج افزوں ہمارا اور ہُوا

○

عید کا چاند جب نظر آیا — آرزوئیں تمام بر آئیں
تم کہ تھے جانِ آرزو، نہ ملے — آنکھیں رہ رہ کے خوب بھر آئیں

میرے محبوب کو ہر چیز سے بڑھ کر منظور — قطعِ الفت بھی ہے اور ترکِ ملاقات بھی ہے
تُم اگر مجھ کو دُکھاؤ گے، دُکھو گے خود بھی — سُنتے آئے ہیں کہ قانونِ مُکافات بھی ہے

Marfat.com

ھو الکریم

نہ مکان میں ہے کوئی کشش نہ مکیں میں حسن دلبری

کوئی پاؤں کی کسی کڑی نہ ذرا کوئی کھینچ کے لائی گلی

اگر آئے کوئی تو شکر ہو نہ آئے کوئی تو صبر

تو رضائے جاناں جانان دا ہی میں ہے بہتری

جمادی الاول ۱۴۰۱ھ ۱۹۸۱ء

کتبہ یوسف سدیدی لاہور

از کلام خواجہ سید غلام محمود

# چاندنی کا شہر

غلام نظام الدین

Marfat.com

تجُھ سے ہے لُطفِ زندگی، اے جانِ آرزُو
عالم تمام تیرے لیے محوِ جستجو،
چہرا ترا صحیفۂ اسرارِ معرفت
پیکر ترا حدیقۂ گلزارِ رنگ و بُو

پیشکردہ: غلام نظام الدین ۳ فروری ۴۹ء

Marfat.com

# پیشگفت

میاں محمد ریاض

ایم اے ـــــ معاشیات ایل ایل بی ـــ (پنجاب)

ایم بی اے ـــــ (الاسکا) پی، سی، ایس

خوبیوں اور رعنائیوں سے رچی بسی شخصیت کے مالک ـــــ مہربان دل اور معتدل و ملائم رویّوں سے مالا مال ـــ بندہ پرور اور غریب نواز قسم کے انسان ہیں۔ راقم الحروف کے مشفق و غمگسار دوست ہیں۔ اپنی پہلو دار ذات کی بھرپور صلاحیتوں کی بناء پر ـــــ ماضی سے لے کر تا حال، مسالک و منازلِ ادب میں بھی، راقم السطور کے لئے عام طور پر عظمتوں اور رفعتوں کی طرف برجستہ رہنمائی کر کے ـــــ اپنے اعلیٰ تنقیدی شعور کا مسلسل ارتقائی اظہار کرتے رہتے ہیں۔

میاں ریاض صاحب امریکہ کی یونیورسٹی الاسکا میں ایم بی اے کے نصاب کا مطالعہ کر رہے تھے اور ساتھ ہی ساتھ گوشۂ تنہائی میں ـــــ ایک عارفِ مرتاض کی طرح، فکر کی گہرائیوں میں ڈوب کر حکمت و بصیرت کے جواہرِ تابدار سے اپنی فطرتِ سلیمہ کو قابلِ رشک زیب و آرائش دینے میں مصروف تھے۔ دیارِ غیر میں جا کر ـــــ تعمیر و تنظیمِ شخصیت کی اس مثالی جد و جہد میں، اکتاہٹ کے سنگین لمحات کو ٹالنے کے لئے، میاں صاحب نے مجھ سے لمبے لمبے خطوں کی فرمائش کی۔

اتفاقاً خود میں بھی، اُن دنوں اپنے گاؤں میں مقیم رہ کر، ایک طویل و ممتد نفسیاتی کشاکش سے دوچار تھا۔ یہاں تک کہ کئی دن برابر روزانہ شام سے سرِ طلوع تک، مجھے

Marfat.com

اپنے دلِ ناشکیب کے ساتھ ایک معرکۂ شبخون درپیش رہتا۔ میاں صاحب پردیس میں جاکر مسافر بنے، اور میں، اپنے داخلی کرب و اضطراب کی وجہ سے، گھر پہ رہ کر بھی گویا دیس بدر، بلکہ کچھ اُس سے بھی بدتر تھا۔ اُن دنوں میری اور میاں صاحب کی باطنی صورتِ حال میں کافی مشابہت تھی۔

میاں صاحب کی ــــ طویل خطوں ــــ والی فرمائش کی تعمیل میں، مجھ سے جب اور کچھ نہ بن پڑا تو ناچار ــــ میں نے اپنے اعماقِ نفس میں جھانک کر، اپنے ساتھ نزاع و پیکار کرنے والی کیفیات کی مختصر روداد ہی خط کی صورت میں لکھنی شروع کر دی۔

واردات اور کیفیات کی حدّت و شدّت سے دِل کے گداخت ہونے کا عمل اتنا لطیف اور رُوحانی ہے کہ ــــ اس تجربہ کے کامل اظہار کے لئے مناسب الفاظ ہنوز لُغت میں جنم نہیں لے سکے۔ جس نے جتنا کچھ بھی بیان کیا ہے ــــ تشنگی سے شروع کرکے بات بالآخر نارسائی تک ہی پہنچائی ہے، جیسے نیزہ بازی کے میدان میں اسپِ تازی کے مقابلے میں بچپن میں استعمال ہونے والا سرکنڈے کا گھوڑا لا کھڑا کیا جائے، اسی طرح دِل کے نازک اوضاع و احوال کی ترجمانی میں فرسودہ اور مروّجہ الفاظ کا استعمال ــــ مضحکہ خیز ہونے کے باوجود، ورائے سخن حقیقتوں کے معنوی پیکروں سے ایک ادنیٰ تشابہ اور تشاکل تو بہر حال رکھتا ہی ہے۔ اتنا بھی بسا غنیمت ہے۔

مکڑی اور اُس کے جالے کو دیکھئے! مکڑی میں جب تخلیقی ہیجان زور کرتا ہے تو ننھی مکڑی اُسے ہر حال اُگلنے پر مجبور ہو جاتی ہے لیکن، مکڑی میں ترتیب و تنظیم کا کچھ شعور بھی ملتا ہے۔ چنانچہ اُس کے جالے میں ایک تناسب کی موجودگی، مکڑی کی

Marfat.com

سلیقہ مندی کا احساس دلاتی ہے۔ جالا بُننے سے پہلے، مکڑی ایک معمولی سا تنکا یا لکڑی یا مٹی کا ایک حقیر ٹکڑا لے کر اُسے مرکز بناتی ہے اور پھر اس مرکز پر تانے بانے کا عمل کرتی ہے۔

کچھ اسی طرح کی مجبوری ـــــ مجھے بھی اپنی کیفیات کے ابلاغ میں پیش آئی۔ الف، ب، ج یا زید، بکر قسم کی ـــــ ایک موہوم اور خیالی شخصیت کو اپنے تخلیقی عمل کا مرکز و محور بنانے کی بجائے ـــــ میں نے اپنے عزیز ترین دوست ـــــ وزیر کو سامنے رکھ کر، اپنے فکر و خیال کے کاروانِ جمال کو اس کی ذات کا والہانہ طواف کرایا ہے۔

سائنسی حقائق اور روحانی کیفیات کی نوعیت میں جتنا بدیہی اور بنیادی فرق ہے، اُسی قدر اُن کے پیرایۂ اظہار میں بھی تفاوت ناگزیر ہے۔ اظہارِ ذات کے لئے ضمیر پاشی شرط ہے۔ اور اس شرط سے بخوبی عہدہ برآ ہونے کے لئے، میرے خیال میں سب سے مؤثر ذریعہ غزل ہے اور اس کے بعد، کسی قدر تاثر انگیز نثر!

چنانچہ، میں نے میاں ریاض صاحب کو تاثراتی اسلوب میں دو خط لکھے، میرے یہ آزمائشی خط انہیں بہت پسند آئے۔ ان خطوں کی ایک ایک نقل میرے پاس تھی ـــــ جسے چند مقامی دوستوں نے دیکھ کر سراہا۔

الاسکا سے میاں صاحب نے لکھا کہ، "ان خطوں میں چونکہ ایک ادبی سطح موجود ہے، لہٰذا میں وطن واپس آکر ـــــ ھدیۂ احباب کے لئے، یہ خط شائع کرا دوں گا۔"

میرے محترم دوست حافظ محمد یوسف سدیدی نے، میاں صاحب کی واپسی سے پہلے ہی یہ خط چھاپنے کا انتظام کر دیا۔

Marfat.com

دس بارہ صفحے کے اس چھوٹے سے رسالے کو پریس میں گئے ابھی چند دن نہ گزرے ہوں گے کہ اتفاقاً مرحوم ناصر کاظمی کا یہ شعر میری نظر سے گزرا،

چال ؟ یا آبِ رواں کی لہر ہے !
جسم ہے یا چاندنی کا شہر ہے !

معاً میرے اندر ایک استعجابی لذّت و مسرت چونک اٹھی ہے — جیسے میں نے کوئی بہت بڑی حقیقت پالی ہو! دوسرے مصرعے سے میرا خیال اپنے خطوں کی طرف چلا گیا — جن میں، حُسن کی بات — اپنے دوست کے سراپائی حوالوں کی مدد سے جزُو سے کُل، محدود سے بسیط، معین سے مطلق اور مجاز سے حقیقت کی طرف بڑھتی چلی جاتی ہے اور نور و نکہت کا اُجلا تصور، پس منظر میں فضا بندی کا کام دیتا ہے۔

ربط ہے مجھ کو حُسن والوں سے
کالی زُلفوں سے سُرخ گالوں سے
بات کہتا ہوں حُسنِ مُطلق کی
کیسے کیسے حسیں حوالوں سے

جیسے، ایک لطیف و جمیل بدن — روشنی کا ایک گنجان شہر ہوتا ہے کہ، اُس پر نظر جہاں بھی ٹھہر جائے — وہی انگ، گویا نور کا محلہ اور نتھری ہوئی چاندنی کی ایک دلکش بستی معلوم ہوتا ہے۔ اسی نسبت سے میں نے اپنے دو خطوں کے مختصر مجموعے کا نام "چاندنی کا شہر" تجویز کیا جو حلقۂ احباب میں مقبول ہوا۔

میاں ریاض صاحب — الاسکا سے واپس تشریف لائے تو، نامعلوم وجوہ کی بنا پر، میرا تخلیقی سلسلہ منقطع ہو چکا تھا۔ میاں صاحب کی شوق انگیز ترغیب

Marfat.com

اور حوصلہ افزائی کے باوجود بھی چند سال تک گہرا سکوت رہا۔

میاں صاحب، مُرانکو انڈسٹریز فیصل آباد میں، بطور مینجنگ ڈائریکٹر کام کر رہے تھے کہ وہاں کی ایک مُلاقات میں انہوں نے بہت شفقت فرمائی اور دوبارہ لکھنے پر بصد رنگ اُبھارا۔ چنانچہ، "تاثراتی اسلوب میں —— "چشمانِ وزیر" —— کے موضوع پر"، تیسرا خط میاں صاحب کی اسی غیر معمولی شفقت کا نتیجہ ہے۔

۲۳ مارچ، ۱۹۷۷ء سے لے کر ۲۳ مارچ، ۱۹۸۳ء تک —— ایک بار پھر، میں محرومی کی لپیٹ میں آگیا اور کچھ بھی نہ لکھ پایا۔ چھ سال کا یہ طویل دَور ایک صبر آزما روحانی جبر تھا۔ اس عرصہ میں زبان بند اور قرطاس وقلم سپردِ طاقِ نسیاں ہی رہے ماحول میں سے ہر چند، گاہے گاہے لکھنے کی ترغیب ملتی رہی لیکن ذہن نے جیسے اپنا رویّہ ہی بدل لیا ہو، لکھنے پر کبھی آمادہ نہ ہوسکا۔ بڑے بڑے تلاطم خیز اور ہیجان انگیز مناظر بھی نگاہوں سے گزرے، لیکن ذہن نے کوئی کروٹ نہ بدلی۔

ذہن کا خاموش آتش فشاں، اندر ہی اندر سلگ رہا تھا، اور مجھے معلوم نہ تھا:

در اندرونِ منِ خستہ دل ندانم کیست؟
کہ من خموشم و او در فغان و در غوغاست!

تاآنکہ، چھ سال بعد "وحشی عقاب" کے نام سے ایک کہانی اور "ھُما کی تلاش" کے نام سے دوسری کہانی علامتی انداز میں لکھی۔ یہ کہانیاں بھی میاں ریاض صاحب کی دلچسپی کی خاطر لکھی گئیں اور اس میں —— دو بہت ہی قریبی دوستوں کے قلبی ربط وضبط اور ذہنی اتحاد کی فضا عکسانے کی کوشش کی گئی ہے۔

ضخامت کو بڑھانے کی خاطر —— اس مجموعے میں وہ چند ذاتی خطوط بھی دے

Marfat.com

دیئے گئے، جو میں نے اپنے عزیز دوست وزیر کو مختلف اوقات میں لکھے تھے۔

ان خطوں میں، اگرچہ روائتی محبت ناموں کی سی گرمیِ تحریر، اور ——— از دل خیزد و بر دل ریزد ——— والی تاثیر نہ تھی، لیکن وزیر کو جب ان کا شاملِ اشاعت کرنا منظور ٹھہرا تو پھر دلیل کی کیا ضرورت؟

وہ تمام احباب، جن کا خلوص اس رسالہ کی ترتیب و اشاعت میں شاملِ حال رہا ہے، انتہائی شکریہ کے مستحق ہیں۔ لیکن خاص طور سے میاں ریاض صاحب کہ ——— چاندنی کا شہر دراصل انہی کے ایما پر، انہی کے تفننِ طبع کی خاطر لکھا گیا۔ وہی اس مجموعہ کے اوّلین محرک ہیں۔ لہٰذا، مصنّف کے لیئے ——— میاں ریاض صاحب ——— کے متعلق نہ صرف سپاسِ بےقیاس واجب الادا ہے۔ بلکہ چاندنی کا شہر اُن کے نامِ نامی سے منسوب کرنا موجبِ صد افتخار بھی ہے!

اوراقِ دل پہ چُن کے سرشکوں کے سُرخ پھول
لایا ہوں نذرِ لعلِ بدخشاں تیرے لیئے

غُلام نظامُ الدّین

معظّم آباد۔ یکم مئی ۱۹۸۳ء

Marfat.com

# میاں ریاض صاحب ـــــــ کے نام خطوط

فریادِ حافظ این همه آخر به هرزه نیست
هم قصهٔ غریب و حدیثِ عجیب هست

غلام نظام الدّین

Marfat.com

# خط : ۱

محبِّ گرامی !

میاں صاحب ! مکرم و محترم !

سلامِ شوق ! مزاجِ عالی !

جس روز ــــ ۴ جنوری ۱۹۷۴ء کو الاسکا سے آپ کا خط آیا۔ دوسرے ہی دن عید روز ــــ ۵ جنوری ۱۹۷۴ء کو اس کا جواب لکھنے لگا تو طبیعت کی بے لگامی کہیں سے کہیں لے گئی۔ اور جو کچھ لکھا، اُسے ملتوی کر کے، آپ کا خط ملنے کی دوسطری اطلاع آپ کو بھیج دی تھی۔

مذکورہ موعودہ جواب آج غرّہ محرم ۱۳۹۴ھ / ۲۵ جنوری ۱۹۷۴ء، بروز جمعہ ارسالِ خدمت کر رہا ہوں۔ بیس دن کی تاخیر کے لیے معذرت خواہ ہوں۔

میں نے اپنے جواب پر چند توضیحی اشارات ایزاد کر دیئے ہیں جو ــــ اصل مضمون پر بطورِ تمہید پیشگی درج ہیں۔

**تمہید** ــــ سادہ لفظوں میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ ــــ انسانی جذبات کے ہزاروں تنوعات ہیں، جن کے باہمی تصادم سے نفسی ہیجان پیدا ہوتا ہے جو، ــــ آگے چل کر، خود بھی پھٹ کر بے شمار دھاروں میں بٹ جاتا ہے۔

میں نے، ان ہی بعد کے نوخیز دھاروں میں سے، چند ایک کا مطالعہ پیش کیا ہے

زمین، آسمان، سورج، چاند، ستارے، رات، دن، صبح، شام، سبزہ، شبنم، بہار، پھوار دل، محبّت اور وزیر حبیبی ــــ خدا کی شائستہ تخلیقات کے حوالے سے، میں نے

اپنے تخلیقی رُجحان کے مآخذ و منابع کا سُراغ لگانے کی کوشش کی ہے۔ جس کے نتیجے میں ـــــ خواہ آپ مجھے جبلی اثر پرست نقاش کہہ لیں یا کچھ اور، لیکن پھر بھی مندرجہ ذیل تحریر ـــــ اثر پرستانہ اسلوب کی ایک کامیاب ترجمانی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ـــــ فی الحال یہ اسلوب نامطبوع اور قابلِ ترک شمار کیا جائے۔

## مضمون

(۱)

میں اپنے گاؤں میں عیدالاضحےٰ + کرسمس کی تعطیلات گزار رہا ہوں۔ آج ۱۰ رذی الحجہ ۱۳۹۳ھ اور ۵ رجنوری ۱۹۷۴ء ہفتے کا دن ہے۔ صبحِ صادق سے پیشتر ۲-۲۰ کا وقت ہے۔ طلوع میں ابھی چار گھنٹے اور سینتیس منٹ باقی پڑے ہیں۔

اس وقت دسویں کے چاند کی مدھم سی لَو، رات کے کالے گنبد میں ملگجی دھند لکا بکھیر رہی ہے۔ آسمانی جوت کے ارد گرد، تاروں کا تا حدِ نظر پھیلاؤ عجیب بہار دکھا رہا ہے ـــــ جیسے، چلنے کی خاکبوس چِتنار میں اُلجھے ہوئے جگنو ٹمٹما رہے ہوں ـــــ جیسے کھیت میں کسان گندم کے سُنہری بیج چھڑک گیا ہو ـــــ جیسے، موسم بہار کی نرم پھوار کے پہلے چھینٹے سے، زمین پر گردے کی ننھی ننھی گرہیں سی اُبھر آئی ہوں۔

رات نصف سے ڈھل چکی ہے۔ پوری بستی کی بستی نیند کی لپیٹ میں ہے گمبھیر سناٹا لہر رہا ہے۔ لوگ لحافوں میں دبکے ہوئے ہیں۔ ناکام حسرتوں، نامراد خواہشوں برباد آرزوؤں، متروک رغبتوں، مسدود چاہتوں، معتوب محبتوں، مصلوب جذبوں، ناگفتہ تمناؤں، اَن سُنی التجاؤں، روندی اور کچلی ہوئی سرگوشیوں اور زیرِ لب خود کلامیوں کے محبوس ہیولے ـــــ تحت الشعور کی اندھی ٹپاری سے کھسک کھسک کر ـــــ خیمہ گاہِ خواب کے روشن پیش منظر میں رقصِ بتان آذری کے لئے بار پا

ہو رہے ہیں۔ جسم مدہوش پڑے ہیں، خواب شیریں برسرِ کرشمہ ہے۔

اس وقت ایک میرا دلِ وحشی جاگ رہا ہے، یا —— کہیں دُور سے وقفے وقفے کے بعد کتّوں کے بھونکنے کی صدا بلند ہو رہی ہے۔ ابھی تھوڑی دیر میں مشرقی اُفق پر رقاصۂ فلک دھرتی کے پھٹے پُرانے مٹیالے دامن پر، اپنی سنہری لٹیں کھول کر نورانی مانگ سے افشاں چھڑکے گی۔ اور چندا دیوی —— پردہ درِ شب کے چرچوں سے جھجکتے ہوئے، نیلے گگن کے پچھلے جھروکے میں رُو پوش ہو جائے گی۔ یہ عین وہی وقت ہوگا۔ —— جب، میرے شہریارِ جمال، پروردگارِ کمال، سلطانِ کج کلاہ، خداوندِ دل و نگاہ، حبیبِ مکرّم، شہزادۂ معظّم شیخ محمد وزیر نظامی کے —— کورے کورے سوہے سوہے، فردوس پروردہ، ابریشمی لب گوشے —— خوابِ نوشیں کی سرشاری میں، بے ساختہ چٹک جائیں گے اور اُدھر —— طاسِ زبرجد میں صبحِ صادق کا شیرہ چھلک جائے گا۔

شب نشینوں کو نوید ہو کہ —— عیدِ صبُوحی کی دلکشا ساعتِ سعید آغاز ہوئی۔ عارف کا عرفان، گیانی کا نروان اور شاعری کا وجدان —— عالمِ بالا کے دیوانِ فطرت سے سرفرازِ برگزیدگی و بالیدگی و رسیدگی ہو رہے ہیں۔

## (۲)

کاروانِ شب کی پیش رفت تیز تر ہے۔ سبزہ اوس میں بھیگ چکا۔ چاند چھُپ گیا ہے۔ ستارے ایک ایک کر کے ڈوبتے جا رہے ہیں۔ فاصلے قربتوں میں تحلیل ہو رہے ہیں۔ منقارِ زیرِ پر زندگی —— اپنے پنکھ جھاڑ جھٹک رہی ہے۔ نیتیں بیدار، ہمتیں جوان، عزائم اُستوار، ارادے مرتب اور مقاصد متعین ہو رہے ہیں۔ سمتیں اور جہتیں —— توجہ میں کھنگالی جا رہی ہیں۔ اندازے تُل رہے ہیں۔ زاویے قائم ہو رہے ہیں۔ نظروں میں اعتماد کا نفوذ اور دلوں میں یقین کا رسوخ بڑھ رہا ہے۔ ولولہ اُبل رہا ہے، اور رُجحان اُمڈ رہا ہے۔ میلان —— طبیعتوں کو اُکسا رہا ہے۔ حوصلے اقدام پر آمادہ ہو

Marfat.com

رہے ہیں اور مقررہ نصب العین —— قرین الحصول نظر آ رہے ہیں۔

صبحِ نو —— خیر و برکت، یمن و سعادت، فرحت و بہجت، نزہت و مسرت اور کامرانیوں اور شادکامیوں کی سوغات بانٹ رہی ہے —— جس میں میرا اتنا ہی حق ہے جتنا ایک بے روزہ کا افطاری پر۔ میں نے بغیر مقصد کے ریاضت کی میں نے بغیر اجر کے مزدوری کی۔ میں نے بغیر وعدۂ وصل کے تمام رات کسی کا انتظار کیا اور آپ ہی اپنے ساتھ شام سے صبح تک کی کھوٹی اور جھوٹی امیدوں کا کاروبار کیا لیکن عوض میں —— نہ کوئی آہٹ، نہ دستک، نہ تبسم، نہ نگاہ، نہ شوخی نہ ادا نہ اشارہ، نہ کنایہ، نہ ناز، نہ غمزہ نہ عشوہ، نہ سرگوشی، نہ اختلاط نہ مدہوشی، —— —— اتنی مسلسل شکستوں اور خود فریبیوں کے بعد —— میرا دل، پھر کس لیے بازارِ شوق میں بساطِ آرزو جمائے بیٹھا ہے؟

یہ روگ کیسا ہے جو —— ایک موذی چمچیڑ کی طرح میری جان کو لاگو ہے؛

یہ درد کیسا ہے جو —— ایک حریص کوّے کی طرح، میرے دِل کے گھاؤ اور جگر کے کھرنڈ کو ٹھونگتا رہتا ہے!

(۳)

اُفق پر دھیرے دھیرے گلناری چھینٹے پڑنے لگے۔ طلوع قریب ہے۔ زندگی کی سُست رفتار سرگرمیاں بتدریج پھیل رہی ہیں۔ سنّاٹا چونک پڑا ہے۔

وہ تصور کہاں گیا —— جس نے رات بھر مجھے سونے نہ دیا؟

میری رتجگے کی بے فیض کاوشیں اور بے مصرف کاہشیں کیا ہوئیں؟

وہ آکاش پر سُرخ پھریرا لہرا گیا۔ اور اِدھر آنکھوں میں لال لال ڈورے مرکز سے اطراف کو پھیل رہے ہیں۔ پلکیں نیند سے بوجھل ہیں۔ سر میں گرانی کا خمار ہے۔ اعصاب پر سنگین فشار ہے۔ اعضا میں کوفت اور خستگی ہے۔ رُواں رُواں تھکن سے چُور ہے۔

Marfat.com

طبیعت غیر متوازن، دل کی دھڑکنیں غیر متناسب، فکر و خیال کے ریشے نامرتب شعور سہما سہما، نظر بہکی بہکی اور خود اعتمادی پارہ پارہ ہے۔ ذوق و شوق میں اُفتادگی حواس میں اختلال اور قویٰ میں اضمحلال ہے۔

دُنیا روشن ہو رہی ہے۔ لیکن میرا دل مدھم اور آنکھیں ہیں کہ بے نور ہوتی ہیں۔ اَنگ اَنگ میں آلکسی رچی ہے لیکن ایک گمنام سی بے کلی اندر ہی اندر سے ڈس کر —— تن من کو بے چین کئے دیتی ہے۔

نت روز کی پیدا کردہ —— بے معاملہ ناکامیوں —— بے مقابلہ شکستوں اور —— بے مسابقہ پسماندگیوں —— کا تلخ احساس آج کچھ بے طرح ستا رہا ہے۔ کیونکہ میں اپنی تمناؤں کو جکڑ بند کرنے کے لئے رات گئے تک بڑی احتیاط اور بڑے اہتمام سے خیالبافی کا بیکار جال پھینکتا رہا اور جب صبح کو جال میں، عنکبوت کی طرح، اپنے سوا کسی کو اسیر نہ پایا تو —— اِک شرمِ نارسائی نے میری شخصیت کو دو لخت کر دیا۔

اب میں اپنے آپ کو بھی اجنبی سا لگ رہا ہوں۔ حالانکہ وہی میرا کمرہ، وہی میری تنہائی، وہی گرد و پیش۔

یہ رات سے دِن ہونے میں کیا انقلاب آگیا؟
خلوت کی وہ ساری طلسم کاری کہاں گئی؟

ہائے وہ رات کو بزمِ خیال میں رنگ و آہنگ اور نکہت و نُور کے صرفِ کثیر سے مرقّع سازی کرنا، اور دن چڑھے ہاتھوں میں اپنے ہی گریبان کی بے سنگم دھجیاں مسلنا!

یہ مسلسل جمائیاں —— یہ پے درپے انگڑائیاں ......
یہ غنودگی ...... یہ ربودگی —— مجھے کہاں لیے جا رہی ہے؟

Marfat.com

مجھے کہاں ۔۔۔۔۔۔؟ کہاں ۔۔۔۔۔۔؟

(خوابِ غفلت)!

غلام نظام الدین

معظّم آباد۔ ۲۵ جنوری ۱۹۷۴ء

# چشمانِ وزیر

آنکھیں ہیں تری ہستی و مستی کے خلاصے

یا قدرت و ندرت کے محقّق دو مقالے

یا عالمِ بالا کے ہیں دو شاہدِ عادل

یا جوہرِ اوّلیٰ کے مسلّم دو حوالے

تجھ کو تری آنکھوں کی قسم ہے مرے ساجن

مجھ کو کبھی آنکھوں کے دریچوں سے بلا لے

فقیر غلام نظام الدین ۵۲ء

جوہرِ اوّلیٰ: ذاتِ باری تعالیٰ پیش از آفرینشِ کائنات ،

Marfat.com

# خط : ۲

محبِّ گرامی !

میاں صاحب ! مکرم و محترم !

سلام شوق ! مزاجِ عالی ؟

## مضمون (۱)

پردیس میں وطنِ عزیز کے خس و خاشاک بھی بھلے معلوم ہوتے ہیں۔ مجھ ایسے دیوانے کے خطوں کو آپ —— پسندیدگی کا اعزاز بخشتے ہیں۔ یہ محض عنایت ہے —— جس کے لئے میں شکرگزار ہوں۔

ایک عرصہ ہوا کہ —— آپ، پاکستان میں عدالتی اور سرکاری ذمّہ داریوں کو ملتوی کر کے الاسکا جیسے دُور دیس میں علمی تحقیق کا حق ادا کر رہے ہیں۔ خارجی علایق کے تعطّل سے اب آپ کی داخلی شخصیت —— زیادہ تنومند، زیادہ منظم، زیادہ سریع الحس، زیادہ درّاک، زیادہ فعّال اور زیادہ مرتکز و متوجّہ ہے۔

اس وقت آپ کی التفاتِ فائقہ، جس قدر میری حوصلہ افزائی کر رہی ہے۔ آئند ناقابلِ تکرار ہے کیوں کہ وطن واپس آنے پر، آپ دوبارہ منصبی مشاغل اور نجی مصروفیات میں گھر کر رہ جائیں گے —— جس کا لازمی نتیجہ داخلی انحطاط اور فکری انتشار ہے۔ نئے ماحول کی اجنبیت اور شبانہ روز کتب بینی کی وجہ سے آپ کے خیالات، جذبات احساسات اور رجحانات و میلانات —— قابلِ دید و داد حد تک منجھ کر نکھر چکے ہیں گہری دروں بینی اور فکری یکسوئی کے فیض سے —— آپ کا حاسۂ باطنی فضائل

Marfat.com

حکمت اور جواہر بصیرت کا آئینہ دار ہے۔

آپ کی تین ہمزاد و خدا داد خصوصیات یعنی —— طبیعتؒ کی روشنی، جوہرؒ کی تیزی اور نفسؒ کی سلامت روی نے آپ کے کردار کے گوشے گوشے کو اجال کر روشِ اعتدال —— کو، آپ کا خاصۂ مزاج بنا دیا ہے۔ اور یہی کچھ اوصافِ حمیدہ اور مکارمِ اخلاق کا ماحصل ہے۔

مجموعی طور پر اب —— آپ کی ذات، ماشاءاللہ! جمالِ معنوی سے آراستہ اور عروسِ رعنا کی طرح جالبِ انظار وجاذبِ قلوب بن چکی ہے۔

اور میں کہ —— ایک دہقانی ہوں اور جیسا کہ دہقانیوں کے بارے میں مشہور ہے کہ کسی کو سلام بھی کرتے ہیں تو کسی کام کی غرض سے۔ اب میری خود غرضی ملاحظہ ہو کہ —— جونہی میں نے آپ کو، مذکورہ بالا حالات کے زیرِ اثر طبعی طور پر، اپنی طرف متوجہ پایا تو فوراً ہی عرضِ مُدّعا کی تقریب پیدا کر لی، حالانکہ چاہیئے تھا کہ —— پہلے میں آپ کے تیور جانچتا، پھر آدابِ گفتگو کی پاسداری کرتے ہوئے، آپ کی طرف سے کوئی فرمائشی اشارہ پا لینے کے لئے ملتجیانہ انداز اختیار کرتا —— جس سے متاثر ہو کر، آپ مجھ سے میرا حرفِ مطلب پوچھنے میں از خود سبقت کرتے۔

لیکن میں نے اپنی لاابالی فطرت اور کرطیل قوتِ ارادی کی شہ پر، کچھ آپ سے سننے کی بجائے، آپ کو اپنے دل کی باتیں سنانا شروع کر دیں۔ خیر خیریت پوچھتے پوچھتے کہانی سنانے بیٹھ گیا۔ خیر! آپ کوئی غیر تھوڑے ہی ہیں۔ یوں سمجھیں کہ —— تھوڑی دیر کے لیے میں طویل خود کلامی کرنے لگا ہوں۔

آپ کریم الاخلاق اور عمیم الاشفاق ہیں۔ لہٰذا، امید ہے کہ —— میرے سادہ استدلال اور خود فریب توجیہ و تعلیل کی —— اس بے کیف روداد کو موجباتِ تفنّن کی ذیل میں شمار کرتے ہوئے نظر انداز فرما دیں گے۔

Marfat.com

(۲)

عشق —— ایک ماورائی لطیفہ، مجردہ ہے، جس کے ساتھ اگر مجھے نسبت دی جائے تو یہ اس کی توہین ہے۔ البتہ وزیر نظامی کے ساتھ مجھے جو ایک تعلقِ خاص ہے اس کی نوعیت مادی کم اور معنوی زیادہ ہے جو سراسر افادی ہے۔

میں نے خود احتسابی کے تحت اندازہ لگایا ہے کہ —— حواسِ خمسہ میں سے میں طبعًا، باصرہ اور شامہ کا استعمال زیادہ کرتا ہوں۔ بہ نسبت باقی تین قوتوں کے۔ اس طرح بعض قوتوں کے کم استعمال کی وجہ سے میرے پاس توانائی کی جو مقدار بچ رہتی ہے —— وہ تمام کی تمام چھٹی حس کی پرورش میں کھپ جاتی ہے۔

میں اپنے مخصوص حالات کے تحت اپنی چھٹی حس کو وجدان سے تعبیر کروں گا جو ایک طرف تو میرے تحت الشعور میں غیر مرئی جلووں، نادیدہ صورتوں، ناتراشیدہ پیکروں غیر محسوس کیفیتوں اور بے عنوان حقیقتوں کو چھانٹ کر —— انہیں تہذیب و آرائش دینے کے بعد، زبان و بیان کے پردۂ نگاریں پر جھلکا دیتا ہے اور دوسری طرف اسی وجدان کی سفارتی کوششوں کی بدولت عالمِ بالا سے افکارِ بکر کے ہیولے میرے باطن پر ہبوط کرنے لگتے ہیں۔

وجدان —— اگرچہ ایک داخلی قوت ہے، جس کا عمل عام طور پر اتفاقیہ صورتوں میں بغیر کسی شعوری کوشش کے، محض ماورائی تصرف کے تحت خود بخود رُونما ہوتا ہے۔ لیکن خاص میرے حالات میں وجدان کا اثر و نفوذ اتنا بڑھ گیا ہے کہ دوسری تمام کثیر الاستعمال قوتیں، اس کے تحت الشعاع ہیچ نظر آتی ہیں۔ چنانچہ اب وجدان کو میری ذات کا مرکز و محور اور مدار علیہ کہ لینا غلط نہ ہوگا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ وجدان کی کیا اہمیت ہے؟ اور مجھے خود اپنے آپ کو جاننے اور سمجھنے میں اس کا مطالعہ کس قدر ضروری ہے؟

بات کو ذرا آگے بڑھایا جائے تو میری زندگی کی عزیز ترین متاع —— وزیر نظامی

کا نورِ جمال ہے ــــ جسے میرے وجدان نے اپنے اندر اس قدر جذب کر لیا ہے کہ ــــ اگر اسے نچوڑا جائے تو وزیر کے علاوہ اور کچھ بھی برآمد نہ ہوگا، اور اگر خود وزیر کی تقطیر کی جائے تو ــــ نور و نکہت تلچھٹ بن کر ملٹر پر ہی رہ جائیں، حالانکہ نور و نکہت آسمان و زمین کی دو لطیف ترین چیزیں شمار کی جاتی ہیں۔

وزیر ــــ دراصل ایک متنوع الصفات اور کثیر الحیثیات شخصیت ہے۔ میری نظر میں اس کا ایک وہ "مقامِ یکتائی و تنہائی" بھی ہے، جہاں ــــ وہ ہر قسم کے تعیّن اور تشخص کا نمائشی لباس اتار کر ــــ اپنے تڑپتے ہوئے جلووں سے خود اپنے جمالِ ذات کے گرد ایک نورانی ہالے کا غلاف لئے ہوتا ہے۔ یہاں پہنچ کر وزیر ــــ ایک مجرد حقیقت ہے، اور ــــ خلاصۂ رعنائی، مجموعۂ زیبائی، جانِ جاناں، روحِ جمالستان، چاندنی کا شہر، رنگینیوں کا تازہ چمن اور مستیوں کا ابر، وغیرہ اُس کی پست تعبیریں ہیں۔

لوگ امتدادِ زمانہ کے ساتھ ساتھ ــــ اپنی دلچسپیاں بدلتے اور پھیلاتے رہتے ہیں۔ لیکن میں، وزیر کو اس مقامِ یکتائی و تنہائی میں ملنے کی صرف ایک ہی خواہش کو زندگی کا نصب العین قرار دیتے ہوئے رفتہ رفتہ دوسری تمام ضروریات اور مرغوبات سے خود کو مجتنب کیے جا رہا ہوں۔ حتٰی کہ جب مطلوبہ ملاقات کی گھڑی آن پہنچے گی تو میری فانی زندگی کا وہ آخری دن اور میری لافانی زندگی کا وہ جنم دن ہو گا۔

میں نے راتوں کو جاگ جاگ کر ریاضت کی۔ اور یہ وزیر کا نورِ جمال ہی تو تھا جس کے لاسے پر، میں بے تحاشا دلسوزی کرتا رہا اور دردِ جانکاہ سے نباہ کرتا رہا، اور شاید ــــ اور کسی بھی چیز سے مجھے اتنی مؤثر تحریک نہ ملتی کہ میں، ماحول کی آسائش اور بستر کی نرمی کو تج کر، صرف ایک ــــ شاخِ گل ــــ کی ترتیب و تیاری میں خونابۂ دل کا آخری

قطرہ بھی پلکوں سے اچھال دیتا۔

وزیر —— ایک ایسا وسیع عالم اور بیکراں محیط ہے کہ —— میں اگر ہوں بھی تو اُسی کے اندر کہیں نقطۂ موہوم کی صورت میں پڑا ہوں جب کہ وزیر کی بیرونی حدیں اگر ہیں بھی تو میں اپنے حاشیۂ خیال میں نہ اُن کا ادراک کر سکتا ہوں، اور نہ ہی حسی طور پر اُن کو چھُو سکتا ہوں۔ وہ ہر طرف سے اور ہر وقت مجھ پر ایک زور دار اور بے اماں طوفانی غلبے کے ساتھ حادی ہے۔ شعر لکھتے وقت، کئی بار —— جب میں تخلیقی مرحلوں میں راستے سے بھٹکنے لگتا ہوں تو —— وزیر کا نورِ جمال، شعلۂ مستعجل کی لپک کے ساتھ، میرے لئے صراطِ مستقیم کی سمت اور منزلِ مقصود کی جہت متعین کر دیتا ہے۔

بارہا لکھتے لکھتے میرا ہاتھ ٹھٹک جاتا تخلیقی سوتا بانجھ ہو جاتا، قلم خشک ٹھونٹھ ہو جاتا اور دماغ میں صرف گھِسے پٹے خیالات ہی رہ جاتے جو —— چچوڑی ہوئی ہڈی کی طرح سوائے دور پھینکے جانے کے اور کسی قابل نہ رہ چکے ہوتے تو —— عین اس عالمِ بے بضاعتی میں بھی، وزیر کی ایک رائگاں خرام، اتفاقی اور قلیل الفرصت نیچی نگاہ، آتے جاتے ہی ہیں، میرے دل کی بیاض پر پاکیزہ اور لطیف مطالب و معانی، حقائق و معارف اور دقائق و غوامض کی لہلہاتی ہوئی نکتہ بار بوچھار کر جاتی —— جس سے میرا قریحۂ شعری لبریزِ مضمون ہو کر وجد و مستی میں گنگنا اٹھتا —— اور یوں تخلیقی عمل کا دھارا پھُوٹ نکلتا۔

اس وقت جو ایک کیفیّتِ خاص مجھے بہا کر کہیں لئے جا رہی ہوتی ہے، اگر نعوذ باللہ —— روح القدس بھی اس میں سے نشاط و سرور کے طالب ہوں تو میں بے نیازی میں ٹال جاؤں اور وزیر کے ساتھ اپنے دل کی تنہائی اور باہمی معاملے میں لحظہ بھر بھی کسی دوسرے

Marfat.com

کو جھانکنے نہ دوں۔

میں نے ہر منظر میں سے خدا کے جلوے کو دیکھنا چاہا۔ لیکن آمنا سامنا کہیں بھی نہ ہو سکا۔ ایک منظر سے دوسرے، دوسرے سے تیسرے، تیسرے سے چوتھے —— حتیٰ کہ کائنات کی ہر چیز کو میں نے کھنگال ڈالا، پھر بھی دل و نگاہ کی تشنگی جوں کی توں ہی رہی۔

ناچار —— میں مایوسی کا اقرار کرنے ہی والا تھا کہ وزیر کی توحید بسیرا آنکھوں کے دریچوں سے —— ایک ہستی، ایڑی اٹھا اٹھا کر اور ہاتھ ہلا ہلا کر مجھے واپس بلا رہی تھی۔ اس کی کھلی آستین کے لہراتے ہوئے پلو سے جذبۂ اشتیاق جھلک رہا تھا، جیسے میری بربادِ محنت پر اُسے ترس آ ہی گیا ہو، یا جیسے اُسے یہ کھٹکا ہو کہ میں —— اُس کے وجود ہی سے کہیں انکار نہ کر بیٹھوں!

علامتیں بتانے کے بعد، کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ —— آخر یہ دیر یاب ہستی کون ہے؟

خدائے بے آغاز و بے انجام کی ذاتِ بحث کی —— جو بھی ماہیت اور کیفیت و کمیت ہے۔ اُسے یونانی افکار کے مطابق ایک ایسے مرکزی نقطے کی حیثیت حاصل ہے جس کے گرد، دس دائروں کا غلاف تنا ہوا ہے۔

خدا تک پہنچنے کے لئے —— ان دائروں کا عبور ناگزیر ہے۔ یہ دائرے عامۃ الناس کے لئے —— عقولِ عشرہ —— کے نام سے عموماً فرشتوں یا نورانی حجابات کی صورت میں، ایک ہی مقررہ ہیئت کے ساتھ یکساں طور پر درپیش ہیں۔

لیکن اہلِ نظر کے لئے، یہ دائرے بدل کر کسی نئے علامتی رنگ میں بھی ظاہر ہو سکتے ہیں۔ ابراہیم علیہ السلام نے مشاہدے اور حکمتِ بصری کے ذریعے جب —— خدا

Marfat.com

کا ادراک کرنا چاہا تو پہلے تارے، پھر چاند، پھر سورج اور پھر بتدریج ذاتِ باری کو خدا مانا۔

فرض کیا اب ایک ایسی صورتِ حال پیدا ہوگئی ہے کہ —— پیغمبروں کی لائی ہوئی ہدایت دُنیا میں کہیں موجود نہیں رہی اور لوگ خدا کو مطلق نہیں پہچانتے، تو اس عام گمراہی میں بھی وزیر کے نورِ جمال کے تحت تاثیر —— کم از کم میں تو ضرور شرک سے گریز کرتا، اور توحید پر میرا غائبانہ ایمان بھی اتنا مستقیم و پائدار اور محکم و استوار ہوتا کہ —— اگر زمانے کو دھکیل کر واپس ایامِ ضلالت و جاہلیت کی طرف موڑ دیا جائے تو میری توحید پرستی میں سرِ مُو کمی نہیں آئے گی اور اگر زمانے کو تیزی سے گھما کر قیامت تک مستقبل کی تمام سائنسی ایجادیں اور علوم و فنون کی محیر العقول دریافتیں —— میری ہتھیلی پر فراہم کردی جائیں تو یہ سب کچھ —— میرے ایمان و ایقان کے لئے، رائی برابر بھی کسی نئی تقویت کا باعث نہ ہوگا۔

روایتی آبِ حیات کے تذکرے سُن کر —— میں اکثر مذاق اڑایا کرتا تھا۔ لیکن وزیر کے نیم شگفتہ چھوٹی موئی لبِ لعلیں کی رگِ گُل جیسی باریک و نازک لکیروں میں عنفوانِ جوانی کا نتھرا ہوا رس مچلتا دیکھ کر —— بالآخر، دنیا کے ایک پُرانے مفروضے پر ایمان لانا ہی پڑا۔

مونالزا کے لبوں کا تبسم آفریں زاویہ مشہور تھا۔ وزیر کے لبگوشوں کی ملکوتی چٹک میں سے، سپیدۂ صبح کا رساؤ دیکھا تو —— میرے دل سے مونالزا کا سحر باطل ہوگیا اور اب مجھے یقین ہے کہ —— اہلِ یورپ محض قومی عصبیت کی بنا پر مونالزا کی چرچل کو پھیلا پھیلا کر، مفلسوں کی طرح زرِ از دست رفتہ پر نازِ بے ہنگام کر رہے ہیں۔ ورنہ نہ تو

Marfat.com

کاروانِ جمال نے کسی ایک ہی مخصوص مقام پر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے پڑاؤ کر لیا ہے، اور نہ ہی حسنِ بسیط نے اپنی تجلیات میں کبھی بخل روا رکھا ہے۔ وزیر کا تبسم بھی نت نئے سے نئے روپ رس میں ڈوبا ہوتا ہے — جس کی کیفیات نا مکرر کو کاغذ یا پتھر کی سطح پر منتقل و مرتسم کرنے کے لئے آخر کوئی کتنی تصویریں بنائے اور کتنے مجسّمے تراشے؟

یونانی مجسّموں کا میرے دل پر گہرا اثر تھا۔ اس لیے کہ — اُن کے تناسبِ اعضاء کے مطالعہ سے عناصرِ حسن کے پرانے معیاری تصورات کو سمجھنے میں رہنمائی ملتی ہے لیکن وزیر کی گردن کا خوبصورت اُبھار، بھری بھری باہنوں کا لوچ اور انگلیوں کی تراش دیکھ کر، منسوخ شریعتوں کی طرح — متقدمین کے معیارِ جمال کی بے مائگی اور آزروں کی سفلہ گری پر رحم آنے لگتا ہے۔

شبِ مہتاب میں — تاج محل کا سہانا منظر بھی حسن کی ایک دلکش تعبیر ہے میں نے ایک بار چھٹکی ہوئی چاندنی میں — وزیر کو آبِ رواں کے کنارے سبزے پر ٹہلتے دیکھا تھا۔ ہر موجِ خرام کے ساتھ، ہر نقشِ کفِ پا کی اوٹ میں جذبات کا ایک نیا تاج محل تعمیر ہو رہا تھا، جو مجموعی تاثر کے لحاظ سے اصل پر کہیں بھاری تھا۔

رومی، خسرو اور حافظ — کے زمانوں پر، میں اکثر رشک کیا کرتا تھا کہ — کاش میں نے ان میں سے کسی ایک ہی کو دیکھا ہوتا!

وزیر نے میرے دل کے رگ و ریشے میں — اپنی روحِ اطہر و اقدس میں سے، ایک نفسِ آتشیں کے ساتھ، حیاتِ تازہ کی لہر دوڑا کر مجھے — جذبِ اُلفت کی وہ سپردگی، سوزِ محبت کی وہ گھلاوٹ، شورشِ عشق کی وہ گرمیاں، شوق و نشاط

کی وہ اُمنگ اور ذوق و سرور کی وہ ترنگ بخشی ہے کہ —— اب یہ افسوس ہے کہ، میرے محبوب شاعر وزیر کے زمانے کو کیوں نہ پاسکے۔

صوفی بڑی ریاضت کے بعد اطمینانِ قلب کی دولت حاصل کرتے ہیں۔ اور اگر وزیر کے ایک ہی پرتو رُخ سے، دل و دماغ اور روح کی محضر پر —— سکون، یقین اور اطمینان کی مہریں ثبت ہوجائیں تو اسے کیا کہتے ہیں؟

عربوں نے اپنی سماجیات میں سلطانِ عادل کو خدا کا سایہ اور رحمتِ الٰہی کا چتر بلکہ یہاں تک کردیا ہے کہ —— النظر علیٰ وجھہ السلطان العادل من العبادۃ —— یعنی سلطانِ عادل کی زیارت جزوِ عبادت ہے۔

اور اگر یاروں کے ہاں —— دل کا وظیفہ اور ایمان کی حدیثِ قدسی النظر علیٰ وجہ الوزیر من العبادۃ —— ہو تو پھر؟

(۳)

اتنا کچھ لکھنے کے بعد بھی، دل برابر گواہی دے رہا ہے کہ —— وزن اور مقدار میں وزیر اُس سے کہیں زیادہ ہے، جتنا کہ یہاں ظاہر کیا گیا ہے۔

کائنات کے اہم ترین موضوعات میں سے —— وزیر —— ایک ایسا موضوع ہے جسے تشنگی سے شروع کرکے نارسائی پر ہی ختم کرنا پڑتا ہے، کیوں کہ جتنا کچھ اور جیسا کچھ وہ ہے —— الفاظ کو اس کا تحمل اور بیان کو اس کی تاب کہاں؟

غلام نظام الدّین

معظم آباد، ۴-۲-۱۹۷۴ء

Marfat.com

# خط : ۳

(چیشمانِ وزیر کے موضوع پر)

بہ ہر نظر بُتِ ما جلوہ میکند لیکن ، کس این کرشمہ نہ بیند کہ من ہمی نگرم

مُحبِّ گرامی !

میاں صاحب ، مکرم و محترم !

سلامِ شوق ! مزاجِ عالی ؟

امّا بعد ——— الاسکا سے آپ وطن واپس تشریف لائے تو کثیر النوع مصروفیات نے آپ کو اس طرح گھیرے رکھا کہ ——— اپنا حالِ دل سُنانے کی مجھے ہمّت ہی نہ ہوئی۔ علاوہ ازیں میری طبعی کاہلی نے ان دنوں اتنا غلبہ کیا کہ ——— رفتہ رفتہ میرے حواس کُند ہونے لگے۔ شعور کی رَو پہلے متزلزل اور پھر گاہے گاہے بے حِسی کی حد تک مدّھم پڑنے لگی۔ لکھنے پڑھنے کا کام ٹھپ ہو گیا۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ ——— ۱۴ فروری ۱۹۷۴ء سے ۲۳ مارچ ۱۹۷۷ء تک کا درمیانی عرصہ لوح و قلم کی طویل خشک سالی ہی میں کٹا۔

اِمسال موسمِ بہار میں ——— آپ کی مشفقانہ ترغیب پر، اپنی باغی تربیت کو رام کرنے کے لئے میں نے ——— عقل و تدبیر کو کھنگال کر، حیلے اور بہانے کا ہر جتن داؤ پر لگا دیا۔ مدّت کی روٹھی ہوئی اور دل و دماغ کے گوشے میں روپوش فنی قوتوں کی بصد سماجت اور لجاجت ——— استمالت کی۔ تب جا کر، مضامینِ تازہ کی آفریدگار آمادگی ——— میرے اندر یکا یک چھلک پڑی اور اسی کی استعانت

Marfat.com

سے تخلیقی ملکے کو ورغلا، اکساکر بالآخر سینۂ قلم سے درج ذیل —— چند ضمیر پارے اور لخت ہائے دل برآمد کرانے میں کامیاب ہوسکا ہوں۔

**معذرت** —— فارسی اضافت، واوِ عطف اور عربی کا الف لام اس خط میں، کچھ زیادہ ہی استعمال ہوئے ہیں۔ فقرے بھی کافی لمبے لمبے ہیں۔ مبتدا اور خبر فقرے کی مخالف سرحدوں پر دُور افتادہ سے نظر آتے ہیں۔ اس وجہ سے کہیں کہیں الفاظ میں باہمی معنوی ربط اگر کھو نہیں گیا تو شَل ضرور ہو چکا ہے۔ اس قسم کی بے لطف طوالت محض بارِ ذوق ہے۔ کئی مقامات پر —— سلاست اور فصاحت کے تقاضے بھی گویا داخلِ شہر کس میرساں ہو گئے ہیں۔ اس پر مستزاد یہ کہ —— مشکل اور بھاری الفاظ کے کھٹکے بھی جگہ جگہ محسوس ہوتے ہیں۔

ان سب کمزوریوں کی موجودگی پر، میں بدیں سبب معذرت خواہ ہوں کہ —— معاملاتِ مہر و محبت کی تہ بہ تہ پیچیدگی، مضمون کی غیر معمولی عظمت اور مافی الضمیر کے شکوہ و وقار کو دیکھا جائے تو —— بیان کی سطح پر، تاثراتی اسلوب اور اس کے جملہ فنی لوازم کے انتہائی دِقّت پسند، محنت طلب اور جگر سوز منہاج کے انتخاب میں آپ مجھے ازبس مجبور پائیں گے۔

اس خط میں جنہیں آپ مشکل الفاظ کہیں گے —— میں انہیں اپنی حقیقتِ حال اور کیفیتِ واردات کے عُلوِ مرتبت کے مقابلے میں، ابھی بھی پست الفاظ ہی کہوں گا اس قدر دماغ سوزی اور ضمیر پاشی کے باوجود —— اعتراف ہے کہ —— خالص حقیقت کی تشبیہ سازی یا صورت گری یا تمثال نگاری کی کوشش میں کما حقہٗ عہدہ برآ ہونے کی بجائے میں اُدھر اُدھر مُشکل چند مُبہم سے اشارے کر پایا ہوں۔ ورنہ جو کچھ میرے اندر ہے اگر بعینہٖ برآمد ہو تو —— اندیشہ ہے کہ —— تحریلِ قبلہ کا عمل تاریخ کو ایک بار پھر نہ دہرانا پڑ جائے۔

Marfat.com

**وضاحت** ـــــ ممکن ہے بعض حضرات کی رائے میں ـــــ میری تحریر انیسویں صدی کے عیش پرست نوابی دَور کی فرسودہ ذہنی لغویات کی صدائے بازگشت ہو۔ اور میرا اسلوب کھوکھلی لفاظی اور مبالغے کے آزادانہ استعمال سے فکرو خیال کے لئے مغالطہ انگیز بھول بھلیّوں اور پُرفریب گنجلکوں کی بے سروپا تشکیل و پرداخت کے علاوہ کچھ نہ ہو۔

یہ سب بجا سہی! لیکن جیسا کہ میں اپنے پہلے خطوط میں بھی عرض کر چکا ہوں ـــــ میرا طبعی جھکاؤ تاثراتی اسلوب کی طرف ہے۔ نیز جہاں تک موضوع کا تعلق ہے میں نہ تو ـــــ "صد پند سود مند" اور نہ ہی "توشۂ آخرت" یا "تنبیہ الغافلین" یا ہدایت السالکین" قسم کی کوئی چیز لکھ رہا ہوں، بلکہ "چشمانِ وزیر" کے حوالے سے بدیع السمٰوٰت والارض کی صنعتِ جمال گری کو بنظرِ استحسان دیکھنے کے مختلف پیرائے آزماتے ہوئے، دراصل فن کے وسیع تر امکانات کی تلاش میں ہوں۔

لہٰذا، یہی میرا مسلک ہے اور یہی میرا منصب ہے کہ ـــــ میں قارئین کے ردِّعمل سے بے پروا ہو کر، حقیقتِ اشیاء کے متعلق صرف اپنا ذاتی تاثر اور اس کے باریک پرت دکھا دکھا کر حظ اور مسرت کے سر دست مہیا ذخیروں پر مزید اضافے کے لئے برابر کوشاں رہوں۔

**گُریز** ـــــ دوستانہ خط و کتابت سے مراد اگر انشراحِ صدر، یعنی اظہارِ حال یا اظہارِ ذات ہے تو ـــــ میرا صاحبِ صدر بھی اور میرا حال بھی وہی ہے جو ذات کے طور پر میرے اندر کئی سال سے رہ بس رہا ہے۔

آپ اُسے میرا اَنا کہہ لیں، یا میرا فتی مُثنیٰ، یا گوشے کے کسی قدر سنسنی خیز الفاظ میں ـــــ نیم خدا، یا نفسیات کی اصطلاح میں کمزوری یا محبّت کی خلیق و شفیق اور رحیم و کریم آفاقی بلکہ کائناتی زبان میں ـــــ عزیز ترین گناہ، یا مجبوری، یعنی ـــــ وزیرا

**مضمون** —— نیلے امبر میں تیرتا ہوا سُنہری بجرا —— اپنی سبک خرامی کے ساتھ ساتھ، بجھے دِل کے افسردہ جذبات کو ہولے ہولے سلگا رہا ہے۔ رُوئیں روئیں کی تہ میں سنسنی رینگ رہی ہے۔ نیم مدہوش حافظے میں بیداریوں کا الاؤ روشن ہوگیا۔ بھُولی یادوں کے دیپ پھر سے لَو دینے لگے۔ پُرانے کھنڈر رس پڑے۔ درد و داغ و سوز و سودا —— یعنی، چار یارانِ باوفا دِل کے نہاں خانے میں انجمن آرا ہیں۔ باہر طوفانِ رنگ و بُو میں ڈوبی ہوئی جھاڑیوں میں سے جھانکنے والی الھڑ کلیوں کی مہکار فضا کے طبقے طبقے میں رچی بسی ہے۔ کھُلے دریچے سے آنے والی ہوائے شمال کے سرد جھونکوں سے، ایک پُراسرار وجدانی تاثر، حجلۂ عروسی کی طرف دلہن کے محجوب مگر انتہائی مرغوب اقدام کی طرح، مشامِ جاں میں بصد لطف و ناز سرایت کر رہی ہے۔ دامنِ دل گردِ محنت سے پاک اور ماحول اجتماعِ گل و بلبل سے طربناک ہے۔ شوق بالیدہ تر اور ذوق روبہ افزائش ہے۔ حواس پر مجذوبانہ سپردگی مستولی ہے۔ طبیعت بہاؤ پر ہے۔ چاند سورج کو چرسنے اور کہکشاں کو چرنے والی فکرِ فلک سیر —— پھر، جالیارے گُھلنے کی رَو میں از خود رفتہ ہو رہی ہے۔

وِرائیت پسند حکمار اور علمائے الٰہیات نے —— حسن[1]، خیر[2] اور صداقت[3] کو راس الاقدار قرار دیا ہے۔ مثلث کے ان تینوں نقطوں کے باہمی ربط و اتصال سے نتیجۃً، جو ایک اندرونی ہیئت جنم لے رہی ہے —— اُسے عدل کا نام دیا گیا ہے جیسا کہ خاکے سے ظاہر ہے۔

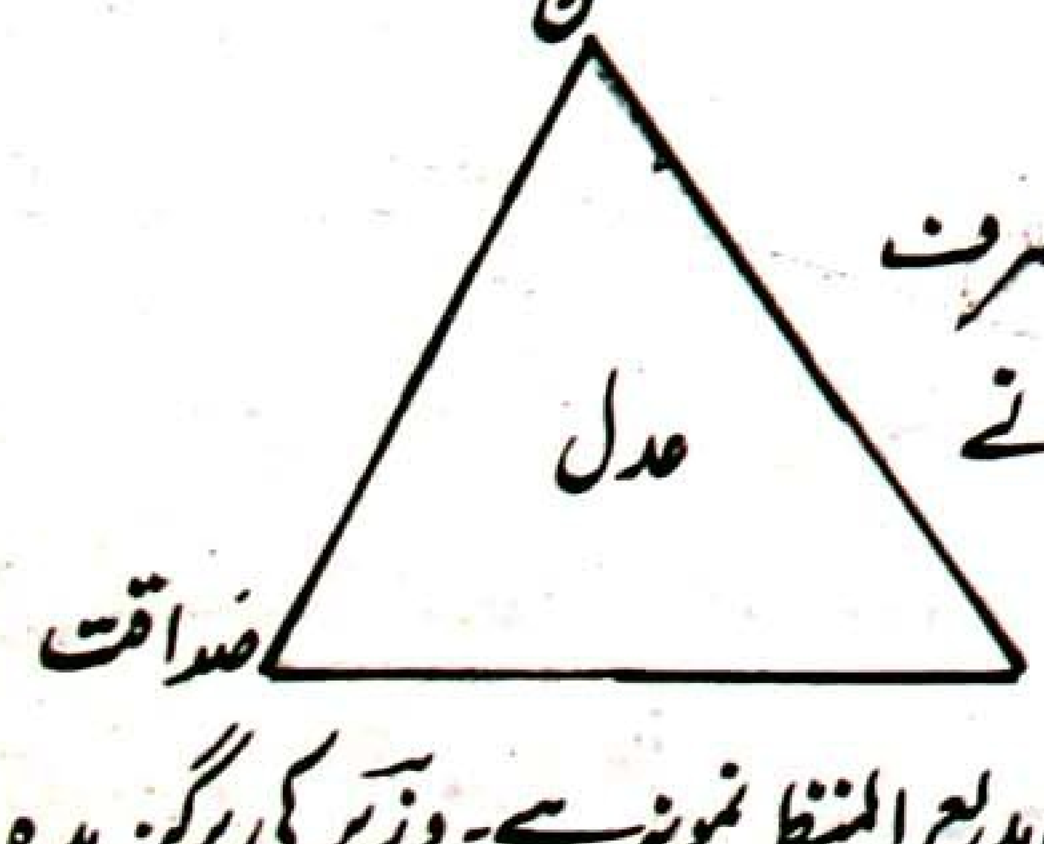


محبت کی خمار آلودہ نظر کا حاصلِ نظارہ صرف ایک تحیّر ہے۔ چنانچہ، اس تحیّر کو اگر منطقی پیمانے سے بھی ناپ کر دیکھا جائے تو —— وزیر نظامی خدا کی ارفع تخلیق کا ایک بدیع المنظر نمونہ ہے۔ وزیر کی برگزیدہ

Marfat.com

شخصیت کا جبلی پھیلاؤ ——— ماورائیوں کی بیان کردہ راس الاقدار یعنی ——— حسن، خیر اور صداقت کی ابدی حدودِ ثلاثہ کو چھو رہا ہے۔ لہٰذا، اس کے داخلی ارتکاز کا منطقی اور طبعی ماحصل ایک ایسا مثالی مزاج ہے جسے، ——— ایک سرمدی آہنگ، ایک جاودانی توازن اور ایک نادر الوجود اعتدال کی دائمی رفاقت حاصل ہو۔

کسی قدر پاکیزہ و مبارک ہے احسن الخالقین کی ذات ——— جس نے، وزیر کی چشمِ بے نظیر کو ——— انواع و اقسام کے صوری و معنوی محاسن و مکارم، لطائف و نفائس، فضائل و شمائل اور روز افزوں جمال و کمال سے لازوال آراستگی دے کر، محبوبانِ دلربا اور معصومانِ باصفا میں، بلاشک و ریب، یگانۂ روزگار کیا۔ مزید برآں اس آدم زادِ پری وش اور آشوب انگیز کشور ستان، یعنی ——— وزیر کی چشمِ غزالیں کو لطف و کرم کے صد رنگ شیوۂ دلستانی اور دلداری کے ہزار گونہ انداز، بے خطا عشوے، شوخی و دلبری کی گھاتیں، ہوش رُبا ادائیں، نشہ فروش زادیے، عافیت نواز گوشے، تیکھے نشتریں تیور، بھرپور غمزے، امید افزا لہجے طلسمی مقناطیسی جذب و کشش، کرشمہ و تاثیر اور سحر و تسخیر کی محبوبانہ ضروریات سے ——— بلغایت برخوردار فرما کر، دُنیائے قلب و نظر کا اقتدارِ لاشریک تفویض فرمایا۔

سبحان ربیّ الاعلیٰ ! سبحان ربیّ الاعلیٰ ! سبحان ربیّ الاعلیٰ !

وزیر کی چشمِ بے نظیر ——— جمال فوق المثال کی ستارہ شمار بوقلمونیوں کے ساتھ ساتھ اکسیر کی تاثیر، قلبِ ماہیت کا حیرت انگیز ملکہ اور انتظام و انصرام کا ایسا مدبّرانہ سلیقہ رکھتی ہے جس کی بدولت ——— وہ نہ صرف سلب کو ایجاب اور جلال کو جمال سے بدل سکتی ہے۔ بلکہ انتشار کو شیرازہ بند کر کے، نظام و استحکام کی پایدار ضمانت دیتی ہے۔

کئی بار ایسا ہوا کہ ——— کوئی واقعہ میرے لاشعور سے چپک کر رہ گیا، اور اس نے اندرون

Marfat.com

ذات کے مخفی گوشوں اور نفس کے اعماق میں پُرشور ہیجان اور منہ زور تلاطم برپا کردیا۔ اس ہوش ربا اور ہمت شکن آشوب وابتری کے عالم میں وہ لمحہ قریب ہوتا کہ جب —— حواس پر سکتہ طاری ہوکر اصلاحِ امور کا رشتہ ہاتھوں سے جاتا رہے۔

مغلوبیت کی اس نازک صورتِ حال میں —— وزیر مدظلہ الکریم کی ایک ہی دزدیدہ نظر سے دوچار ہوکر، اس کے پلٹنے سے پہلے ہی میری ذات کی —— اندرونی شورشیں ٹھس ہوگئیں۔ چڑھی آندھی اُتر گئی۔ گرتی دیوار سنبھل گئی، فکر وخیال اور دل ونگاہ میں ربط و اتحاد بحال ہوا۔ خوف گزیدہ اور ہوش پریدہ اعتماد —— از سرِ نو یکجا، یکسو اور یک رنگ ہوکر استوار ہوا۔ میری ماؤف شخصیت کا مردہ تخیل بیدار ہوگیا، اور حظ اور لذت سے انگ انگ سرشار ہوگیا۔ مزاج میں گل وشبنم کا سا ایک مثالی اعتدال نکھر آیا —— جس کا لازمی نتیجہ —— سکون راحت اور مسرت ہے۔ اور اس مثلث سے بھی مستفاد بالآخر جمال ہی جمال ہے۔

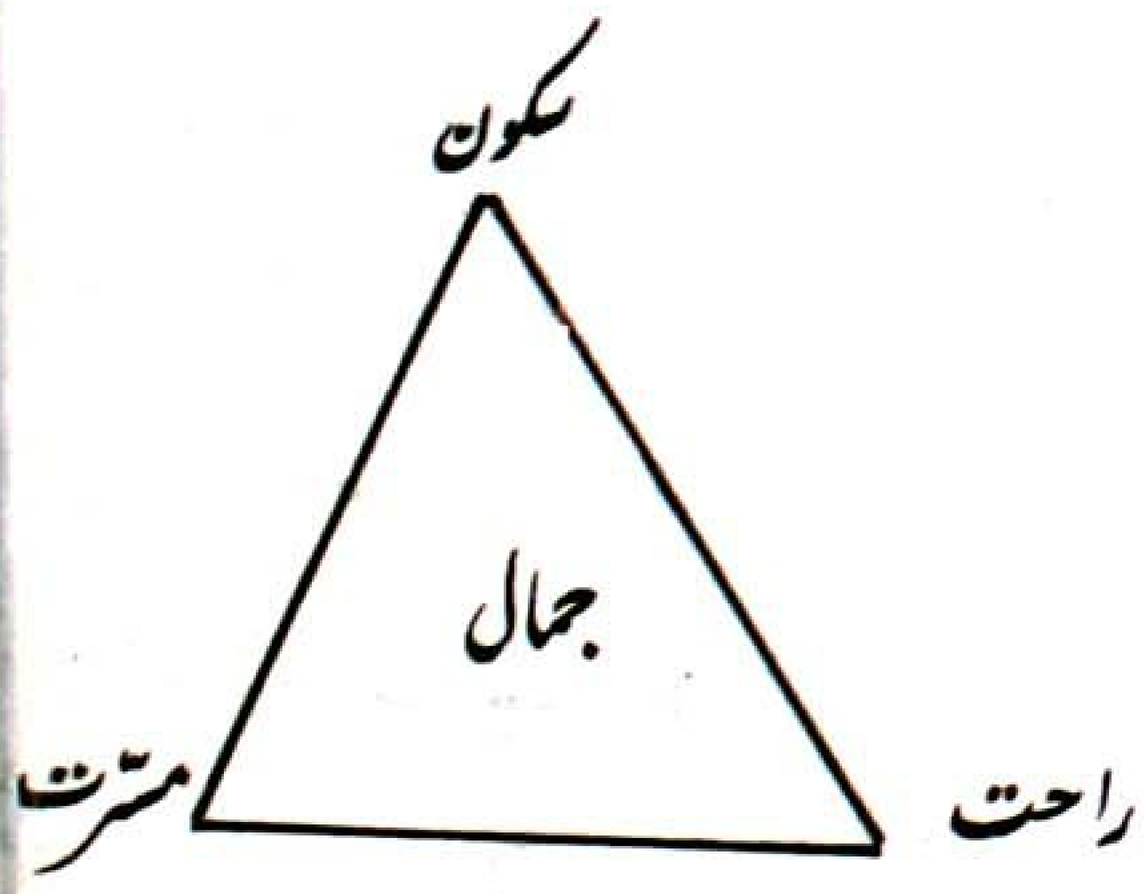


اتنی بے تحاشا جمال آفرینی، اور اتنی افادہ بخشی —— چشمانِ وزیر میں پرورش پانے والی انقلابی کیفیتوں کی محض ادنیٰ سی جُگالی ہے۔

## زندگی کیا ہے؟

مختلف پہلوؤں سے اس کی ہزاروں تعریفیں کی گئیں۔ اپنے اپنے زمانہ میں اور اپنے اپنے مقام پر، ہر تعریف اتنی جامع ومانع تھی کہ اسے —— بہ قطع ویقیں، مسئلۂ حیات پر، انسانی فکر ودانش کی آخری کامیاب ترین رسائی سمجھا گیا۔

Marfat.com

لیکن، زندگی جیسے بسیط کُل پر، چونکہ کوئی ایک تعریف بھی ہر اعتبار سے حاوی نہ ہو سکی، لہٰذا ہر سابقہ تعریف ——— انسانی ذہن کی جزوی تشفی کے ساتھ دراصل ایک نئی تشنگی کا احساس دلا کر آئندہ کے لئے بلیغ تر تجسّس کی گنجایش پیدا کرتی رہی۔

انسانی ذہن اپنی تمام کار آمد صلاحیتیں اس بے ثمر ریاضت میں جھونکتا ہی گیا۔ تا آنکہ ——— وزیر کے اشارۂ ابرو نے "لاانتہائیت" کی طرف بھٹکنے والے فکر و خیال کے کج رو اور کوتاہ اندیش سلسلے کو براہِ راست چشمانِ بے نظیر کی جانب متوجہ کر کے ——— زندگی کے دیرینہ معلق مسئلے کا آخری مسکت حل سُجھا دیا جس پر ——— آیندہ کسی اضافہ و ترمیم کی نہ ضرورت ہے اور نہ ہی اس کا امکان۔ گویا چشمِ وزیر ہی، وہ عظیم دریافت تھی، جس کے بعد زندگی کے دامن سے ناتمامی کا داغ ہمیشہ کے لئے دُھل گیا۔

وزیر کی نگاہِ ناز نے زندگی کے متعلق انسانی ذہن کے تشکیک آمیز رویّے کو اپنی مخصوص فاتحانہ دلیری سے مسترد و منسوخ کر کے مستقبل کے بارے میں ——— وثوق اور یقین کا انادی نظریہ رائج کیا۔ اس انقلابی کایا پلٹ سے ——— گمراہی، تعصّب، تنگ نظری، حقارت و بیزاری اور قنوط جیسی منفی و مکروہ قدروں کے پُرانے گھروندے منہدم ہوئے اور محبّت کی صراطِ مستقیم پر ٹھٹکنے والی زندگی کو اتنی تقویت ملی، جس سے زندگی زندگی کہلانے کی واقعی مستحق ہو گئی۔

اب زندگی ——— ایک تلخ اور ناخوشگوار عمل کی بجائے، اعلیٰ درجے کی محبوب سرگرمی بن گئی ——— جس کا ایک ایک لمحہ جوشِ امید سے معمور اور شوقِ بقا سے بھرپور ہونے کی وجہ سے انتہائی عزیز اور بصد احترام و اہتمام چوس چوس اور نچوڑ نچوڑ کر گزارے جانے کے قابل ہے معاش و معاد، خیر و شر، جبر و قدر، امید و بیم اور دنیا و آخرت ——— جیسے، زندگی کے خوفناک وپُرخطر ہفت خوانِ رستم، چشمانِ وزیر کے دارالامان میں پہنچ کر، بیک طرفۃ العین ——— کبھی کی طے شدہ منزلیں دکھائی دیتی ہیں۔

Marfat.com

### ا: عالمِ بالا:

فکری بلندیوں میں تھک ہار کر، انسانی ذہن نے آسمانی بلندیوں سے اوپر، کائنات کی جو آخری سرحد ٹھہرائی ہے — اُسے ذرا ڈھیلے ڈھالے انداز میں عام طور سے سدرۃ المنتہیٰ، یا قدیم ایرانیوں کی اصطلاح میں کیوان اور انگریزی میں زینتھ کہتے ہیں۔ مُراق یا اور برق رفتار سلسلۂ خیال — اس نقطے پر جا کر منقرض ہو جاتا ہے۔ یہاں سے آگے جو کچھ بھی ہے ماورائے حواس ہے۔ مسلمان صوفیا نے اسے عالمِ حقیقت قرار دیا ہے قدیم یونانی اور ہندو اسے دیوتاؤں کی زاد بوم کہتے تھے۔ یہی عالمِ بالا ہے۔

### ب: جوہر و عرض:

رنگ کا احساس ایک مجرّد تصوّر ہے، مثلاً سبز رنگ، سُرخ رنگ وغیرہ۔ اس رنگ کو جھلکانے کے لیے کسی دوسری شے کا وجود ضروری ہے، مثلاً — کپڑا، کاغذ یا کوئی بھی مرئی سطح۔ رنگ جو کہ قائم بالذات نہیں ہے — جوہر کہلاتا ہے۔ اور جس چیز سے رنگ ظاہر ہو، اُسے — عرض کہتے ہیں۔ لیکن فقط حقیقتِ خداوندی ہی وہ منفرد اور مستثنیٰ جوہرِ مطلق ہے جو — تمام اعراض کی تخلیق سے پہلے کا قائم بالذات ہے اور یہی اس کا اعجاز ہے۔

اس لیے مثلِ اعجازِ ربّانی کی نمائش کی وسیع، وریفع اور حیرت مآب تماشا گاہ — وزیر کی چشمِ سُرمہ آلود ہے — جس سے اس قدر لدّنی کیفیات و اثرات پے بہ پے ظہور پذیر ہوتے رہتے ہیں کہ — معلوم ہوتا ہے کہ عالمِ بالا کے اوضاع و احوال اور لمحے لمحے کے تغیّرات اور ازلی و ابدی حسنِ بیکراں کے جلوہ ہائے ذات وصفات اور ان کے متنوع شیون کا، وزیر کی آنکھوں کے راستے ایک لامتناہی سلسلۂ اظہار جوشِ دریا کی طرح برابر چڑھاؤ پر ہے۔ بے اندازہ اظہارِ جمال اتنا احسن، اتنا اکمل اور اتنا تازہ تر ہے کہ، ہوش پر خیر کچھ بھی بیت جائے، — خیالات، مشاہدے اور احساس

کو شدید قوت کے ساتھ اپنی طرف کھینچتا رہتا ہے۔ طور کی سنگلاخ سطح اگر نورِ حقیقت کے پرتوے منعکس کر سکتی ہے تو ـــــ جوہرِ اولیٰ کی جلوہ افروزی کے لئے وزیر کی روشن اور بابصر آنکھوں کے حریری پردے ـــــ کیا پتھر کے بے ہنگم ڈھیلوں سے بھی کمتر درجے کا عرض ہیں ؟

تہذیب الاطفال کے مختلف طریقوں میں سے، اہلِ یورپ کا ایک پسندیدہ طریقہ یہ ہے کہ ـــــ وہاں رزمیہ تصویری معمّے (PICTURE PUZZLES) چھاپنے کا عام رواج ہے۔ جنگلوں، بیابانوں اور ویرانوں کے مہیب سناٹے ہیں، حملہ آور درندوں کے ہنگامی خطروں کے ساتھ ساتھ کشت وخون اور جنگ و پیکار کے ہولناک مناظر ہیں، علامتی تیر کی مدد سے بچاؤ کے راستے بھی دکھائے جاتے ہیں ـــــ جن پر چلنے کے لئے کئی مہلک خطروں سے گزر کر جان بچانی پڑتی ہے اور یوں خطر پسندی اور مہم جوئی اور دفاعِ ذات کے لئے ـــــ جہدِ للبقاء کے ایک لازوال جوش وخروش سے لیس ہو کر بچے مستقبل کی کامرانیوں کے لئے اپنے اندر کافی ہمت اور جرأت وقوت کے ساتھ ایک ناقابلِ شکست اخلاقی برتری پیدا کر لیتے ہیں۔

مشاہدے اور تجربے سے انسانی علم ودانش میں غائر درجے کی وسعت وپہنائی اور عظمت وگیرائی کے ساتھ وہ خاص جلا پیدا ہوتی ہے جسے ـــــ بصیرت کہتے ہیں، وہ عظیم شاہراہیں ـــــ جن کے ذریعے کاروانِ علم وحکمت، تجزیہ وتحلیل اور ترتیب وتالیف کے مراحل سے گزر کر اعظم الاعضائے رئیسہ یعنی دماغ کی سلطانی سرائے میں فروکش ہوتا ہے ـــــ حواس ومدرکات سلیمہ کے شوارع المستقیم ہیں۔

انسانی کردار کی فوز وفلاح کے لیے ـــــ حواس ومدرکات کا زیادہ سے زیادہ ہوشمند شائستہ اور لطیف تر ہونا شرط ہے۔ اس بلند مرتبے کے اکتساب کے لیے حواس

Marfat.com

کو علم الاسماء اور حقیقت الاشیاء کی تعلیم کے ساتھ، لذّتوں اور لطافتوں کا ایک رچا ہوا شعور دلانا ضروری ہے۔

چنانچہ ان تمام ضروریات کی کفالت کے لئے، فاطرِ ہستی نے —— وزیر کے مصحفِ رُخ پر، پُراسرار آنکھوں کے دو ایسے مسجّع و مقفّٰی و مرصّع حروفِ مقطعات پیوند کر دیے ہیں کہ —— جن کے ذخیرۂ معلومات کی لاہُوتی سرّیت اور ملکوتی رمزیت، اور جن کے عندیہ اور مافیہ کی منطقی تاویل اور معنوی تفسیر کے لئے —— اگر افلاطونی دماغ جیسا کاشف الحقائق —— بھی عمرِ خضر سے مقاہمت کر کے، زاویۂ حرم میں اعتکاف بیٹھ جائے تو آخر کار سر پٹک کر ہی اُٹھے گا کہ: ھاھا لا ادری! ھاھا! لا ادری!

وزیر کی نوری نسب آنکھیں —— قدرت و ندرت کے دو ایسے مقدّس و مستند صحیفے، متبرّک و حیرت انگیز مرقعے اور نہایت مرتب و کثیر البضاعت نگار خانے ہیں —— جن میں اہلِ نظر کے لئے، حکمتِ بالغۂ الٰہیّہ کی طرفہ کاریاں اور اعجوبہ نگاریاں باب در باب مندرج ہیں۔ نیل نے اپنے ساحل پر اتنی موجیں کبھی پھینکی نہیں ہوں گی —— جس قدر لطف و لذّت اور کیف و مسرّت کے دھارے ان آنکھوں سے پھُوٹ رہے ہیں۔ لوحِ محفوظ کا بین السطور ان آنکھوں سے جھانک رہا ہے۔ کوثر و تسنیم کی لہریں ان آنکھوں سے بڑی چھلکتی ہیں۔ یہ آنکھیں —— نشاطِ حیات کے ذخیرے اور خمار و مستی کے جزیرے، حقائق و معارف کے خزائن اور مطالب و معانی کے مدائن، رنگ و رونقِ محفل اور منزل و مقصدِ دل ہیں۔ ان آنکھوں کی شہریاری اور ان کی کامگاری، ان کی رعنائی اور ان کی گیرائی، ان کی فسوں سازی اور فسانہ طرازی، ان کے حیلوں اور ان کے وسیلوں، ان کی حکمتوں اور ان کی مصلحتوں پر، —— اگر کوئی قادر الکلام اور جادو بیان انشاء پرداز مقالہ نویسی کی دُھن میں ہزاروں مطوّلات بھی سیاہ کر ڈالے تو ہنگامِ بازدید سب پر خطِ تنسیخ کھینچ کر شتابی سے فارغ ہو

Marfat.com

بیٹھے اور یہی وظیفہ پڑھتا پھرے کہ: ما عرفناك حق معرفتك

آسمان کی قوسِ محدود میں کبھی کوئی ستارہ یوں نہیں چمکا ہوگا، جیسے ابروؤں کے محرابی طاقچوں میں، چشمِ وزیر کی رتن جوت جگی ہے۔ یہ بے نظیر آنکھیں حسنِ بسیط کے فروغِ جمال سے ہر آن اس قدر تازہ بہ تازہ نو بہ نو تمتع اندوز ہوتی رہتی ہیں کہ —— خاکدانِ گیتی پر عالمِ قدس کی پرچھائیوں کا ٹھور ٹھکانہ انہی آنکھوں کا کاس الکرام اور بیت المعمور ہے۔

یہ خبیر و بصیر آنکھیں —— عالمِ بالا کی دو نہایت دراک، اور ذکی الحس رصد گاہیں ہیں —— جن میں عالمِ امر، عالمِ جبروت، عالمِ لاہوت اور عالمِ ملکوت کی لحظہ لحظہ کی خبریں، نفس نفس کی کارروائیاں اور قطعی الامر تقدیریں بہ وضاحت وصراحت منکشف ہوتی رہتی ہیں۔

دیوانِ فطرت کے علومِ سرّی وخفی کی یہ —— عالمِ اجل اور علم اللوح والقلم کی فاضلِ متبحر آنکھیں —— اپنے سفید اور سیاہ رنگ کے سبب، سفید و سیاہ عالم پر بخوبی متسلط اور کاملاً متصرف ہیں۔ بہشتی تنعمات اور فردوسی تجملات سے متمول آنکھیں کالی کالی، لانبی لانبی زلفوں کے ظلِ ظلیل میں ناز پروردہ منوّر آنکھیں! ان آنکھوں کے تقدس اور تفضل، ان کے تحکم اور ان کے تلطف کا بیان کیا کیجیے؟

یہ سادہ و پرکار آنکھیں، بیخود و ہشیار آنکھیں —— ایک لطیفۂ غیبی اور روحانی نعمت ہیں جو —— ہر لحاظ سے جاں نواز و دلکشا، نظر فروز وحق نما، صاحبِ صدق وصفا، مربّی الحیاء، راسخ الوفا، جیّد العطا اور طیّب الادا ہیں۔ وزیرِ بے نظیر کی یہ صدر العلا آنکھیں، یک شہر جلوہ وضیا آنکھیں بدر الدجیٰ آنکھیں، شمس الضحیٰ آنکھیں نور الھدیٰ آنکھیں، تیرِ بے خطا آنکھیں، درد کی دوا آنکھیں، دردِ لا دوا آنکھیں، اور دل کا

Marfat.com

مدّعا آنکھیں ! مرحبا ! مرحبا ! مرحبا !

حبذا ! عُزّ‌ما ! مرحبا !

یا عجبا ! یا عجبا ! مرحبا ! مرحبا ! مرحبا ! مرحبا !

یُونانی علم الاساطیر کے کشفیات میں ۔ —— تمام فنون کو واحد الاصل بتانے کے ساتھ ایک مقدّس چشمے ہپّو کرین ( HIPPOCRENE ) کا ذکر ملتا ہے، جو فنونِ لطیفۂ جمیلہ کی نو (۹) مربّی دیویوں ( THE MUSES ) کے زیرِ تصرّف ہے۔ تمام فنکاروں کی روحیں پہلے اس متبرک جل سے جرعہ نوش ہوتی ہیں اور پھر وہ —— فنّی تخلیق پیش کرنے پر گویا قادر ہو سکتے ہیں۔

عرصہ گاہِ ہستی میں، جب سے چشمانِ وزیر کا آوازۂ لمن الملک الیوم بلند ہوا ہے، ہپّو کرین کا باطل مفروضہ، طلوع کے ساتھ رات کی تاریکی کی طرح خود بخود زائل ہو گیا۔ فنکاروں کو بہترین نصب العین مہیّا کرنے کے لیے چشمانِ وزیر —— تلامیذ الرحمٰن کی اعلیٰ ترین سندِ امتیاز لے کر تائید و حمایتِ رحمانی و توفیق و عنایتِ سبحانی کے سدا شاداب چشمے اچھال رہی ہیں۔ علوم و فنون اور بصائر و حکم کی یہ معلّٰی بارگاہیں ہر آیندہ لمحے سورج کی کرنوں سے زیادہ معجزہ پاشی کر رہی ہیں۔

فن کار —— آزاد حُسن کو معرضِ اظہار میں لانے کے لئے ہمیشہ کامل سے اکمل کی تلاش میں رہتا ہے اور یُوں حُسن کی تین سطحیں ابھر آتی ہیں۔

۱۔ مظاہرِ فطرت میں موجود حُسن سے اثر پذیری، اور نئے فن پارے کے لئے مواد کا انتخاب۔

۲۔ اس انتخاب پر کچھ اضافہ کر کے نئی تخلیق پیش کرنا،

۳۔ وہ مثالی سطح جو فن کار کے ذہن میں موجود رہتی ہے اور جس کے نمونے پر فن کار اپنے

Marfat.com

فن پارے کو ڈھالنے کی کوشش کرتا ہے۔

یہ تیسری ارفع سطح ــــ جسے فن کار کا فنّی نصب العین کہنا زیادہ مناسب ہے، خالص وہی سطح ہوتی ہے، اور زمین سے آسمان کی طرف اُڑتے ہوئے عقاب کی طرح متحرّک اور مائل بہ عروج رہتی ہے۔ نصب العین کی یہی عروجی حرکت فنّی تخلیق کا باعث بنتی ہے۔

انتہائی ریاضت کے بعد، فن کار کا وجدان جہاں بہ دقّت پہنچتا ہے ــــ اُس سے آگے کی منزلوں میں وزیر کی سریع السیر عبقری نظر نہ صرف بسہولت جلوہ افروز ہو رہی ہوتی ہے، بلکہ فن کار کی تخلیقی صلاحیت اور فنّی استعداد پر محرک اثر ڈال کر اس کے ذہن کو خوب سے خوب تر کا نصب العین برابر الہام کرتی رہتی ہے ــــ جس کو فنّی پیکر میں سمونے کے لئے فن کار اظہار و ابلاغ کے ہنرمندانہ ذرائع اختیار کرتا ہے۔

جیسے کوئی سامری منش ساحر اپنے عمل کے زور سے بہتے پرنالے کو واپس چھت کی طرف لَوٹا دے ــــ کچھ اسی طرح، معلوم ہوتا ہے کہ ــــ چشمانِ وزیر کی پُتلیوں میں کوئی فوق البشری کرشموں کا مالک پسِ پردہ بیٹھ کر، ہاتھ کی ادنیٰ جنبش سے ماضی کو مستقبل اور مستقبل کو ماضی بنا بنا کر تماشائیوں کے پہلو سے دل غائب کر رہا ہے۔ کیوں کہ جب وزیرِ بے نظیر کی مستانہ آنکھیں مُند جاتی ہیں تو زمانے کے تاریخی تسلسل میں گہرا شگاف پڑ جاتا ہے۔ وقت دم بخود ہو جاتا ہے اور ماضی کی یکدم دو صدیاں ــــ اپنی ترقّی و کمال کی روداد لپیٹ کر چاہِ بابل میں اوندھی لٹکتی نظر آتی ہیں اور جب گھڑی تنزیمی ڈوروں کو پلکوں سے جھٹک کر وزیر کی چشمِ ناز شگفتہ ہوتی ہے تو یوں لگتا ہے جیسے بیک کشاد ــــ دو صدی کا زمانۂ مستقبل لپک لپک کر ستّر ہزار بار مفتوح ہو چکا ہے، اور قیامت ان گنت عرصے تک ٹل گئی ہے۔

Marfat.com

مشہور ہے کہ —— زمانہ رنگ بدلتا ہے اور وقت کی آواز ہوتی ہے!

وزیرِ بے نظیر کی چشم نرگسیں سے —— اکثر وبیشتر میں نے ایسے ایسے فوق السماوی الوان واصوات کے جھرنے پھوٹتے دیکھے ہیں کہ —— کہاں ہے زمانہ؟ اور کہاں ہے وقت؟

چشمانِ وزیر عرشی الاصل ہونے کے سبب —— عالمِ اسفل اور عالمِ بالا کے درمیان ایک عمدہ وسیط، ایک ناگزیر برزخ اور ایک لازمی رابطہ کڑی کی حیثیت رکھتی ہیں۔ نورانی لمعات، روحانی کیفیات، فیضِ روح القدس اور آسمانی نعمت وبرکت کے یہ بشدت جوش مارتے ہوئے دو چشمے حکمِ منصوص بلغ ما انزل الیک کی تعمیل میں، قدرت کے مخفی اور لامتناہی خزانے بے صرفہ دبرملا اچھال اچھال کر ہر آن اپنی ایک نئی ارتقائی شان کا برجستہ مظاہرہ کر رہے ہیں۔

خاک نشین فرشیوں کی دیرینہ پستی اور تہی دستی کی شاہانہ تلافی کے لئے —— ملک العرش نے، اپنے خزانۂ قدس کی متاعِ گراں بہا یعنی، —— چشمانِ وزیر جیسی دونادر ونایاب اشرفیاں بھیج کر، یہی بس سفلیوں کے دل وجان ہی کے عوض رائیگاں خرچ کر ڈالیں۔ دولت کے یوں مفت لُٹنے اور خزانۂ قدس کی اس بے ارزشی پر —— ساکنانِ ہفت افلاک بھی حسرت سے کفِ افسوس مل رہے ہیں۔

زمانہ قبل از اسلام کے دَورِ جاہلیت میں —— عربوں کو اپنے شاعرانہ قصائد، سبعہ معلقات پر بے حد فخر وناز تھا۔ ان معلقات کو وہ اپنے قومی اور ملکی مفاخر شمار کرتے تھے لیکن عقل ودانش کے دورِ حاضرہ میں، تخلیقِ قدرت کے دولاجواب شہ پارے یعنی —— ابروؤں کی محرابی قوس میں چشمانِ وزیر کے اثنین کریمین سعدین طیبین معلقین، آفاقی تاثر و مغا

کی حیثیت سے شہرت و قبولیت کے بامِ عروج پر پہنچ کر ایسے ضرب المثل ہوئے ہیں کہ —— سبعہ معلّقات کو غلافِ کعبہ سے تہ ہو کر بصد خجلت طاقِ نسیاں کی درزوں میں پناہ ڈھونڈنی پڑی۔

ایک طرف تو ادنیٰ ادنیٰ ریاستوں کی ولیعہدی پر بغاوت اور خانہ جنگی کے تذکروں سے تاریخ کے صفحات پر جگہ جگہ بدنما دھبّے نظر آتے ہیں، لیکن دوسری طرف —— وزیر کی چشمِ جہاں گیر کے اقتدارِ اعلیٰ کے سامنے، اپنی کامل حوالگی کے اظہار کے لئے، سرِ تسلیم خم کرنے میں دیدہ و دل کے دونوں جہان متحد بھی ہیں اور مستعد بھی!

آنے والے زمانے کے نئے اُفق اور نئے سویرے —— چشمانِ وزیر کے طلسماتی جھروکوں سے طلوع کرتے نظر آ رہے ہیں۔ مستقبل کی تقدیرِ عالم ان آنکھوں کی حلقوں میں پرورش پا رہی ہے۔ مشرق و مغرب کی طویل اُلجھنوں کے مؤثر حل اور عالمی تنازعات کے حتمی فیصلے وزیر کی نیچی نگاہوں کی مخمور جُنبشوں سے وابستہ ہیں۔

دُوں ہمّت اور عجز، شیوہ انسانی ذہن سہاروں کی مدد سے نئی نئی حقیقتوں کو بتدریج دیکھنے، سمجھنے اور تسلیم کرنے کا خوگر ہے۔ دلائل اور حوالے۔ حقائقِ عالیہ کی ٹوہ لگانے میں انسانی ذہن کے موزوں رفیق اور بہترین رہنما ہیں۔ ہر نئی دریافت کے لئے ماضی کی مصدقہ دریافتیں بنیاد فراہم کرتی ہیں —— جس پر آیندہ کی جستجو کا علمی دار و مدار ہوتا ہے۔

حُسنِ مطلق —— مطلوب و مقصودِ کائنات ہے۔ سابقہ تمام کوششوں کے نتیجے میں فی الحال جو کچھ ہم حاصل کر سکے ہیں —— چشمانِ وزیر کا آئینہ خانہ ہے۔

اے بلند ہمّت سالکانِ محبت! اگلے پڑاؤ تک صرف ایک ہی جَست درکار ہے۔

Marfat.com

عرفانِ حق کے لیئے تمام عقلی دلائل سے فائق ـــــ چشمانِ وزیر کے دو مسلّمہ حوالے، دو قطعی علامتیں، دو صریح قرینے اور دو معتبر گواہ موجود ہیں۔ جمالیاتی بصیرت رکھنے والوں کے لیئے، ـــــ چشمانِ وزیر الوُہی بھیدوں کے دو کھلے دروازے ہیں، جن سے بہرحال گزر کر ہی باطن کے رموز خانے تک باریابی ممکن ہے۔

جو کچھ ان آنکھوں میں ہے اور کہاں ہے؟ اور جو کچھ ان میں نہیں وہ بھی اور کہاں ہے! تنگنائے نطق و بیان سے، چشمانِ وزیر کی لامحدود معنویت کا بے شمار بہاؤ سلامت روی کا عہد کب تک نبھا سکتا ہے؟ اور لفظوں کے نازک سانچے اتنی خارا شگاف اور آہن گداز حقیقت کی تاب کیونکر لا سکتے ہیں؟

جب کہ ـــــ اُن نگاہوں نے کہیں کا مجھے رکھا ہی نہیں! تو پھر، میرے ظاہری وجُود کو جگہ جگہ کھینچے گھسیٹتے پھرنا زندگی کے لیئے ـــــ ایک دشوار اور ناپسندیدہ صلہ رحمی ہے، ایک بے جوڑ اور بے تکی کارروائی ہے، ایک اذیت ناک بدمشربی ہے بلکہ ایک مکروہ اور قبیح قسم کی بیگار ہے۔ اُن آنکھوں سے باہر ـــــ خود مجھے بھی اپنا وجود نامسعود ایک ناقابلِ برداشت تکلف ہی معلوم ہوتا ہے۔

اے کاش! کبھی یوں ہوتا کہ ـــــ عالمِ پست و بالا کے درمیانی وسیط یعنی چشمانِ وزیر کے مقوّس دریچوں سے نازک پلکوں کی ریشمی جھالر ناگاہ سرک جاتی اور پردۂ بصارت کی اوٹ سے نظر بازیاں کرنے والا مانوس اجنبی، اپنی طویل اور سنگین تنہائی سے تنگ آ کر مجھے اپنے حریمِ ناز میں در آنے کا کوئی رعایتی اشارہ ہی مرحمت فرما دیتا۔ اس طرح گویا شور بازارِ عالم سے میں اچانک ہی قبر کے خونی جبڑے میں عنت ربود ہونے کی بجائے چشمانِ وزیر کے طلسماتی غرفوں میں جذب و تحلیل ہو کر آن کی آن میں، ورار الورار کی پُر سکون سرمدی وادیوں کے قدسی منظر حدیقوں اور ابد الاباد کے تنزیہ و تظلیل کے سہانے سمے میں بے دھڑک

گھومتے گھومتے اور جھومتے جھومتے وزیرِ بے نظیر سے سرگوشیاں کرتا پھرتا۔

آنکھیں ہیں تری، ہستی و مستی کے خلاصے
یا، قدرت و ندرت کے مُحقق دو مقالے
یا، عالمِ بالا کے ہیں دو شاہدِ عادل،
یا، جوہرِ ادراک کے مسلّم دو حوالے
تجھ کو تری آنکھوں کی قسم ہے مرے ساجن
مجھ کو کبھی آنکھوں کے دریچوں سے بُلا لے

غلام نظام الدّین

معظم آباد۔ ۲۳ر مارچ ۱۹۷۷ء

۲ر ربیع الآخریٰ ۱۳۹۷ھ

گہے بر طارمِ اعلیٰ نشینم
گہے بر پشتِ پائے خود نہ بینم

# ٢

## وزیر ـــــ کے نام خطوط

یارب! چہ چشمہ بود محبّت، کہ من ازان
یک قطرہ آب خوردم و دریا گریستم

Marfat.com

# خط : ۱

وزیرِ بے نظیر!

حبیبی!

علیک الف سلام!

۱۴ / فروری کے بعد آپ کبھی نظر نہ آئے! کیا ہوا آپ کو؟ کیسی ہے طبیعت؟ ہاں کچھ کچھ بات میری سمجھ میں آنے لگی ہے۔ تمام چیزوں کی ایک معیّنہ حدِّ اتصال ہوتی ہے۔ چینی کو پانی میں گھولیں گھُلتی جائے گی۔ اور گھولیں وہ بھی گھُل جائے گی۔ اور گھولتے جائیں تو بالآخر ——— پانی اُسے قبول نہیں کرے گا اور شکر تہ نشین ہونے لگے گی۔ ۱۴ / فروری سے پہلے کی چند متواتر ملاقاتیں ہی ——— شاید آپ کے حالیہ تغافل کا باعث بنیں۔

آپ کی سابقہ نوازشات اور طرح طرح کی دلنوازیوں کے باوصف ——— اپنا دل ابھی تک نیم شگفتہ اور نیم فسردگی کی کشاکش میں پڑا ہے۔ آپ کی نظرِ عنایت کو بھی آزما دیکھا، لیکن دِل کے بعض گوشے ——— ویران کے ویران پڑے ہیں۔ دُنیا کا عظیم مرکزِ نُور یعنی، ——— سُورج ——— بایں ہمہ توانائی و برنائی، اپنی پوری ہمت صرف کرتے ہوئے بھی زمین کے نصف چہرے سے زیادہ کو آج تک روشن نہیں کر سکا۔ یہ زمین ہی کی تیرہ بختی ہے، سورج کا اس میں کیا قصور؟ کسی کا دل کھلے نہ کھلے، چشمِ یار کی اشارتوں کو اس سے کیا غرض؟

خیر! میں کہنا کیا چاہتا تھا؟ کر کیا رہا ہوں؟ عنوان اور مضمون میں کتنا فاصلہ ہو گیا! اس شدید بے ربطی کی بھی مجھے خبر نہیں! معاف رکھنا!

Marfat.com

آج فروری کی ۱۹ تاریخ ہے۔ اس وقت رات کے ۱۵-۸ بجے ہیں۔ کوٹ مٹھن شریف ——— خواجہ غلام فرید صاحب کی حاضری کا شوق طبیعت کو گدگدا رہا ہے۔ سفر کی درازی اور جسم کی آرام طلبی کا مقابلہ کرتا ہوں تو ——— حواس ٹھٹک جاتے ہیں تھوڑی دیر گویا سکتہ سا رہتا ہے۔ پھر اندر ہی اندر سے ——— ایک خلش دل کے ریشے ریشے میں کوندتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ پھر تو ——— جذبات کا ہیجان میرے رگ وپے کو یکبارگی لپیٹ ہی لیتا ہے۔ لیکن یہ کیفیت وقتی اور ہنگامی قسم کی ہوتی ہے کہ بس ذرا سی دیر بعد، میری بے ہمتی مجھے پھر منجمد اور شل کر دیتی ہے۔ اس وقت خواجہ غلام فرید صاحب کا وہ خاص اشارہ بھی یاد آتا ہے، ——— جو یکم فروری ۲، ۱۹۷ء کو صبحِ صادق کے نورانی دھندلکے میں، مجھ تک بحالتِ خواب، بصیغۂ راز پہنچا تھا، لیکن پھر بھی میں ——— یا تو بھلوال ہی میں پایا جاتا ہوں یا معظم آباد میں۔ کوٹ مٹھن شریف کو، زبانی معلومات فراہم کرنے کی بجائے چل نکلنے کی نوبت نہیں آتی۔

اُوہ ! ——— یہ آپ کو، میں پھر پریشان کرنے لگا ہوں۔ انسان بھی کتنا خودغرض ہوتا ہے ! اپنی ایک مصیبت ٹالنے کے لئے، معصوم دوستوں کو بھی غم کا نشانہ بنانے میں دریغ نہیں کرتا۔ میں نے اپنی ایک روحانی پریشانی کے دفیعے کے لئے، آپ کے سامنے دل کی بھڑاس نکال لی۔ یہ الگ بات کہ ——— آپ میری پریشانی کو بکمالِ امانت و دیانت، اپنی طویل اور سنگین خاموشی کی ردِش بے نیازی کی صورت میں ——— پھر مجھے ہی لوٹا دیں۔

نیا ہجری سال ——— ۱۳۹۲ھ آغاز ہو رہا ہے۔ بلفظِ ہجری سے دل متوحش ہو رہا ہے کہ ——— اس میں ہجر کا التباس ہے۔ اے کاش ! کوئی نئی تقویم وصالی ایجاد ہوتی !

خیر ! خدا کرے، نئے سال میں ——— آپ زیادہ سے زیادہ جسمانی و روحانی صحت آسودگی و بالیدگی اور فروغ و فراغ سے بہرہ مند ہوں ! آسمانی نعمتیں، زمینی راحتیں، خانگی آسائشیں، معاشی فراغتیں اور ہر قسم کی سرفرازیاں اور بلندیاں ——— آپ کی ذاتِ عزیز

Marfat.com

کی طرف رجوع ہوں، اور کامرانی و شادمانی کا ظلِ جاودانی —— آپ کے پیکرِ شریف پر ہمیشہ چتر فگن رہے۔ (آمین)

اسیرِ بے زنجیر، غُلام نظام الدین
معظم آباد۔ ۱۹ر فروری ۱۹۷۲ء

# خط : ۲

وزیرِ بے نظیر!
حبیبی!
علیک الف سلام!

جس دوست کا، کئی خطوط ہیں، آپ سے میں نے ذکر کیا ہے، اس کی بے نیازی حد سے گزر چکی ہے۔

اب وہ ملتے بھی ہیں تو یُوں، کہ کبھی
ہم سے کچھ واسطہ نہ تھا گویا

اور اِدھر اپنا یہ حال ہے کہ —— اُس عزیز الوجود کے ہاتھوں پے در پے شکستیں کھانے کے بعد بھی، —— نہ وہ کچھ کم پیارا ہے، اور نہ دل کو اُس کے بُھلانے کا یارا ہے!

مجالِ ترکِ محبت نہ ایک بار ہوئی
خیالِ ترکِ محبت تو بار بار آیا

میری، اس کی باہمی معاملت میں، پیچیدگیاں بڑھ رہی ہیں۔ ۲۰ر مارچ کو —— وہ جس انداز سے مجھے پیش آیا تھا، ہمت اُس رویّے کے تجزیے سے عاجز ہے۔ البتہ

Marfat.com

۲۰ مارچ کو میں اپنی زندگی کا بدترین دن شمار کرتا ہوں۔

پھر ——— ۱۲ اپریل تو اُس سے بھی بدترین ثابت ہوا۔ تب سے آج تک

غم و اندوہ اور احساسِ ناکامی میرے دل کو جھنجھوڑ اور نچوڑ مروڑ رہا ہے۔ لیکن ———

آپ کے سوا کسی کے پاس میں نے اُف تک نہیں کی۔

اگرچہ دل پہ خرابی ہزار گزری ہے

میری اُمید، میری آس، میری آرزو اور میرے ناز کو ——— اُس عزیز دوست کے

ہاتھوں اتنی شکست پہنچی ہے کہ جس کی توقع بدترین دشمن سے بھی ممکن نہیں۔

طے ہو چکیں شکستِ تمنا کی منزلیں

اب اس کے بعد، گریۂ بے اختیار ہے

آپ کے علاوہ ——— کسی سے یہ بات، میں نے کسی رنگ میں بیان نہیں کی

کہ ——— میری مجبوری یہ ہے کہ میں ——— جانِ شیریں سے تو دست بردار ہو سکتا

ہوں، لیکن اُس عزیز ترین دشمنِ جاں کو بھول بیٹھنا میرے بس میں نہیں۔ اور بھولوں بھی کیسے

کہ اُس کا بخشا ہوا غم میرے آزاد و بے پروا دل کو برباد کرنے کے بعد ——— اب میری

جان کو چاٹ رہا ہے اور نہ جانے مزید کتنا عرصہ مجھے خاموشی سے سلگ سلگ کر اپنے

زخمِ جاں گسل کی پرورش کرنی پڑے۔ پھر اس عرصے میں صبر و ضبط کی قید نبھانا ———

یہ الگ قیامت کون اٹھائے؛

انتہائے شوق ہے، اب صبر کی طاقت کہاں؟

ابتدائے عشق میں چندے تحمل ہو گیا

حبیبی!

آپ سوچتے ہوں گے کہ شکستوں اور محرومیوں کی بپتا سنا سنا کر مجھے کس جرم کی سزا

دی جا رہی ہے؟

Marfat.com

کاہے کو میں نے میرؔ کو چھیڑا، کہ اُس نے آج
وہ دردِ دل کہا کہ مجھے دردِ سر رہا

سو، عرض ہے کہ ـــــ آپ میرے لئے، ہمت اور حوصلے کا بھرپور ماخذ ہیں اگر آپ بھی میری رُوداد سے اُکتانے لگیں تو پھر گوشۂ تنہائی میں، آئینے کے سامنے بیٹھ کر، میں اپنی کہانی کہہ لوں گا۔ آپ کے کرم و اخلاق سے گوناگوں دلنوازیوں کی توقّع ہے۔
پُرانے شاعروں کے کچھ اشعار مجھے پسند آئے ہیں۔ دیکھ کر مطلع فرمائیں کہ یہ اشعار اُس زُود فراموش کو لکھ بھیجوں یا نہ لکھوں؟ خود مجھ میں قوّتِ فیصلہ نہیں ہے۔

# اشعار

بے نیازی کے تری ناز اٹھائے کیا کیا
جو نہ چاہا وہ ہوا، اور جو چاہا نہ ہوا

---

نہیں آتی مجھے راتوں کو نیند اکثر نہیں آتی
گزر جاتی ہیں گھڑیاں مشورے کرتے ہوئے دل سے

---

آج کیوں اپنے اسیروں کی تجھے پروا نہیں
کل تلک تیرا بھی دل مہر و وفا کا باب تھا

---

میں وہ ناکامِ محبّت ہوں کہ حالت اپنی
گر سُنانا تمہیں چاہوں تو سُنا بھی نہ سکوں
کیوں تکلف ہے تمہیں؟ دل کی تمنّا پوچھو
تم کوئی غیر نہیں ہو کہ بتا بھی نہ سکوں

Marfat.com

تم خفا، بخت خفا، چرخِ ستمگار خفا　　کام بگڑا ہے کچھ ایسا کہ بنا بھی نہ سکوں

اسیرِ بے زنجیر، غلامُ نظامُ الدّین
معظّم آباد، ۱۰ بجے شب ۱۵ر اپریل ۱۹۷۲ء

# خط : ۳

وزیرِ بے نظیر!

حبیبی!

علیک الف سلام!

پھانس ہو تو نکال لیں احباب　　خلشِ دل کا کیا کرے کوئی،

۱۲-۱۱-۱۹۷۲ء —— کو مجھے ایک دوست کی پریشانی کا بہت دکھ ہوا۔ آپ چونکہ مجھ سے اخلاص رکھتے ہیں۔ لہٰذا آپ سے پردہ کیا؟

ابھی تک میرے ٹھٹکے ہوئے حواس درست نہیں ہو سکے ۱۳-۱۱-۷۲ کو میں نے یونہی سا کوئی بہانہ سامنے رکھ کر تین دن کی رخصت لکھ کر دے دی، اس خیال سے کہ —— چند ایام کہیں دُور نکل جاؤں گا تو ممکن ہے میرے اس دل گرفتہ دوست کو سنبھلنے کا موقع مل سکے، کیونکہ —— وقت خود بہت بڑا معالج اور مصلحِ اعظم ہے۔

کل کالج پڑھا کر، کالج ہی سے، غم واندوہ کا انبوہ دل پر لیے ہوئے —— اپنے دل گرفتہ دوست کے تصورِ لطیف وجمیل سے ذہن کی تنہائیوں میں سرگوشیاں کرتا، نکل جاؤں گا اُس کے شہر سے باہر —— کہیں دُور —— بہت دُور! سفرِ بے مقصد ہے۔

Marfat.com

تکلیف ضرور ہو گی۔ بادلِ ناخواستہ جا رہا ہوں۔ بادلِ گرفتہ تر، اتوار تک واپس آجاؤں گا۔

آنسو تھے سو، خشک ہوئے، جی ہے کہ اُمڈا آتا ہے
دل پہ گھٹا سی چھائی ہے۔ کھلتی ہے، نہ برستی ہے

میرے ناصحانِ گرامی کو یہ کون سمجھائے کہ —— جب دریا کو بہاؤ، اور ہوا کو چلاؤ سے روکا نہیں جا سکتا تو —— مجھے محبت سے باز رہنے کی تلقین کیسی؟ آگ ہو اور آنچ نہ دے —— پھول ہو اور باس نہ دے —— ستارہ ہو اور چمک نہ دے —— میں ہوں اور محبت نہ کروں؟

خلشِ عشق مِٹے گی مرے دل سے جب تک
دِل ہی مِٹ جائے گا۔ ایسا نظر آتا ہے مجھے

ہاں! جس دوست کا میں ذکر کر رہا تھا اور بات درمیان میں رہ گئی تھی، وہ یہ کہ ۱۲-۱۱-۱۹۷۲ء کو میں نے پہاڑ کو ٹلتے اور دیوار کو چلتے دیکھا۔

کیا مطلب؟

یعنی وہی دوست —— جس کا پہلے کئی بار آپ سے ذکر کر چکا ہوں، پہلی بار میں نے اُسے پریشان دیکھا، اور پریشان بھی بہت زیادہ، پھر یہ ساری پریشانی تھی بھی میری ہی وجہ سے! صورتِ حال سے میرا دِل لرز گیا۔ دُور تک سیاہی نظر آ رہی تھی۔ اس وقت آپ بہت یاد آئے کہ اگر ہوتے تو مجھے حوصلہ دیتے۔ ہائے وہ بے بسی کا عالم! دِل ٹکڑے ہو رہا تھا اور کوئی پرسانِ حال بھی نہیں تھا۔ خدا یہ وقت دشمن کو بھی نہ دکھائے۔ اپنے ہاتھوں اپنی ہی اُمید کے گلے پر چھُری چلانا! محبت کا شفاف چشمہ گدلا ہو گیا اور افسوس یہ کہ پتھر بھی اپنی نادانی سے خود میں نے ہی پھینکا تھا۔ دوست نے پہلی دفعہ مجھے پریشانی دکھائی، وہ جو کبھی پریشان نہیں ہوا تھا۔ شہرِ وفا میں زلزلہ آیا، چار دانگِ محبت میں سنسنی پھیل گئی۔ خدا کرے آئندہ حالات بہتر ہو سکیں۔

میں اپنے اس عزیز ترین دوست کو محبت کی زبان میں ـــــ شہرِ وفا کہتا ہوں
آپ بھی اُسے دوست رکھا کریں۔ آپ بلند خاندان کے آدمی ہیں اور عالی منش بھی
میری طرف سے اس مجسمۂ شرم و حجاب، پاک سرشت و پاکباز، فرشتۂ غیبی کی بہت
بہت دلجوئی کرنا اور کہنا کہ ـــــ اگر تم نے ہمیں بھلانے کی کوشش کی تو ـــــ
تمہارے بنا ہم کس کام کے؟

بس اتنا ہی عرض کرنا۔ اور اس کے منحرف دل کو اپنے اصلی مقام پر بحال کر کے
مجھے، ۲۰-۱۱-۱۹۷۲ء کو مژدۂ جانفزا سنانا! خدا کرے اس دن آپ کے چہرے پر
فاتحانہ شکوہ و وقار برس پڑے! میرے دل کی دُعائیں ـــــ آپ کی اس
خدمت میں قدم قدم پر حقِ وفا ادا کریں گی۔

اسیرِ بے زنجیر، **غلام نظامُ الدّین**
معظّم آباد ۱۳ - نومبر - ۱۹۷۲ء

## خط : ۴

وزیرِ بے نظیر!
حبیبی!
علیک الف سلام!

آج سے ٹھیک آٹھ دن پہلے، ۲۷۔ نومبر، سوموار کو تین بجے سہ پہر
بھلوال میں کسی مقام پر میرا اسپ سے قیمتی دوست ـــــ مجھ سے ناراض ہو گیا

وجوہات فی الحال آپ کو بتا نہیں سکتا کہ اس کی مجھے اجازت نہیں۔

## کچھ اُدھر کا بھی اشارہ چاہیئے

جب اس دوست کی طرف سے، ایسا کوئی اشارہ مجھے مِل گیا تو اپنی پوری داستانِ محبت بیان کردوں گا۔

مختصر یہ کہ ۲۷ نومبر، شام کو واپس گھر آکر، میں نے ڈائری میں اُس دن کے خانے میں، اپنی وفات درج کردی۔ قلبی اور ذہنی موت، اس دن واقع ہوچکی تھی۔ طبعی موت، خدا سے اگزشتہ ہفتے میں تین بار مانگ چکا ہوں۔ محض رسمًا نہیں بلکہ حضورِ قلب اور صدقِ نیت سے۔ التجا مسترد ہوئی۔ اب دل بھی پھٹ رہا ہے اور دَم بھی گھُٹ رہا ہے۔ رُوح بدترین درد وکرب میں مبتلا ہے۔ طرح طرح کے خیالات اور وسوسے طبیعت میں دراندازہو کر —— داخلی سکون و توازن کو برباد کررہے ہیں۔ رات بارہ بجے تک مطالعہ کرتا ہوں جس سے اکثر اوقات سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔ گھر کے در ودیوار پھاڑ کھاتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ غرض کہ میری نجی اور سماجی زندگی کا ہر پہلو بُری طرح متاثر ہوا ہے۔

اس دوست سے پہلے بھی ایک دو مرتبہ میرے دل کو شکست پہنچی تھی، لیکن نہ اتنی جتنی کہ —— اب کی بار! پہلے بھی آپ ہی نے امید بندھائی تھی، اب بھی آپ ہی سے ہمت اور حوصلے کا خواستگار ہوں۔

کل سوموار، ایک بجے رات، اپنے رُوٹھے ہوئے دوست کے لئے غزل لکھنے بیٹھا چار پانچ شعروں سے آگے طبیعت نہ چل سکی۔ طبیعت دراصل ہے ہی کہاں؟ یہ شعر بھی بمشکل لکھے گئے۔ کوئی ۳۰-۲ کے قریب! آپ غزل کو ہمدردی سے دیکھ کر مشورہ دیں کہ —— اُس دلِ گرفتہ دوست کو بھیجوں یا نہ بھیجوں؟ کہیں ناراضگی اور ہی نہ بڑھ جائے۔ پھر تو غزل میرے لئے عذاب ہوجائے گی۔ ایک شعر میں یہ خیال پیش کیا گیا ہے کہ:

Marfat.com

"میرا دوست چند بازاری لوگوں کے دلخراش فقرے سُن کر ـــــ مجھ جیسے دیرینہ وفادار سے ترکِ تعلق پر آمادہ ہوگیا۔ میں اُسے صفائی پیش کرنے، اس کے گھر چلا گیا۔ میری گزارشات چونکہ خلوص پر مبنی تھیں، اس لیئے اس پر اتنا اثر تو ہوا کہ ـــــ وہ بازدید کے لیئے میرے گھر آنے کو تیار ہوگیا۔ میں حالات کو اُمید افزا دیکھ کر مطمئن ہوگیا۔ اور اُسی کے آنے سے ذرا پہلے، ضروری انتظامات کے لیئے جلد جلد، خوشی خوشی سے لوٹ آیا۔"

"میرے وہاں سے آنے کے بعد ـــــ میرے دوست کے دل میں، بازاری لوگوں کے آوازوں کا پھر سے خیال آگیا، جس سے اس کے اعماقِ نفس میں کشمکش اور دودلی کی صورت پیدا ہوگئی۔ لیکن وہ، دریں اثناء ـــــ میرے پاس آنے کے لیئے اپنے گھر سے چند قدم باہر آچکا تھا۔ اکیلا تھا۔ راستے میں کبھی میرا خیال آتا اور میری طبیعت کا، کبھی غیروں کی باتیں تیر و نشتر بن کر کلیجے میں چُبھ جاتیں۔ قدم آگے بڑھ رہے تھے اور ذہن میں جاؤں! نہ جاؤں! ـــــ کے متضاد خیالات ٹکرا رہے تھے۔ حتیٰ کہ ـــــ
جب میرے گھر کا دروازہ دکھائی دیا تو ایک اُچٹتی ہوئی نظر سے در و دیوار دیکھ کر، دوسری گلی کو پھر گیا۔ ـــــ یہ ظاہر کرتے ہوئے کہ راستے اور پتے میں مغالطے کی بنا پر، وہ حسبِ وعدہ میرے پاس نہ آسکا۔"

غیر کے طعنے بھلے، میری سماجت بے سُود
آتے آتے وہ مرے گھر کا پتہ بھول گئے

آپ اس شعر کو بھی دیکھ لیں۔ دوسرے اشعار یہ ہیں۔

کس قدر جلد ہی تم عہدِ وفا بھول گئے
ہم نہ مانیں گے، کہو! واقعی کیا بھول گئے
حادثہ دل پہ وہ گذرا ہے ترے جانے سے
کہ پریشانی میں ہم یادِ خدا بھول گئے
وہ جو تا عمر نبھانے کے کیئے تھے وعدے
تیرے ان وعدوں کا کیا حشر ہوا بھول گئے

مسکرا کر جو کبھی تُو نے ہمیں دیکھ لیا زخم سب کھُل گئے، ہم تیری جفا بھول گئے

اسیرِ بے زنجیر، غلام نظام الدّین
معظم آباد، ۵۵-۱۲ اشب ۴ دسمبر ۱۹۷۲ء

# خط : ۵

وزیرِ بے نظیر!

حبیبی!

علیک الف سلام!

گزشتہ ملاقات میں، آپ کے رُوبرُو، آپ کی شیرنگ کاکلوں کی جس شیفتگی و وارفتگی سے ——— میں نے مناجات کی تھی، اُس سے آپ کا مزاجِ لطیف اگر مکدر ہوا ہو تو میں معذرت چاہتا ہوں۔

تو وہ لطیف جہاں ہے کہ جس کی سمعِ لطیف
اُٹھا سکے گی نہ تا دیر میرے دل کا غبار

آپ کے نازک احساسات کی پاسداری بھی ——— تا بحدِ امکان، مجھے مطلوب و ملحوظ ہے۔ لیکن دقت اُس وقت پیش آتی ہے، جب میری ہیجانی طبیعت ——— تُند و تیز جذبات کا لاوا اُگلنے پر مجبور ہو جاتی ہے۔ آپ میری اس کیفیت کو بخوبی جانتے ہیں بنا بریں امید ہے کہ ——— میری دیوانگی، میری آشفتہ طبعی اور میری والہانہ سپردگی کو ——— میری طبعی مجبوری جان کر، مجھے کھلی معافی کا مستحق قرار دیا جائے گا۔

کسی وقت مجھے اپنی دیوانگی پر، خود بھی حیرت ہونے لگتی ہے۔ آپ کی بلند فطرتی،

Marfat.com

عالی ہمتی ، اور غیر متزلزل تحمل کا مشکور ہوں کہ —— مجھے سخت ناگوار بوجھ ہونے کے باوجود بھی ، آپ کسی نہ کسی طرح بہرحال برداشت کیئے ہوئے ہیں۔

آپ کے اس اخلاقی کارنامے پر —— میرے دل میں ، آپ کے بارے میں جو دعائیں اور نیک تمنائیں اُبھرتی رہتی ہیں —— الفاظ و بیان ان کی عنوان بندی سے معذور ہیں۔ آپ کو محبت کی زبان میں ، عام طور پر میں "شہریارِ جمال" کہا کرتا ہوں۔ آپ کے جمالِ بے مثال کو خدا سلامت رکھے اور آپ کے شیفتگانِ محبت کی وحشت و ازخودرفتگی روز افزوں ہو!

مجھے اپنی دیوانگی میں جو ایک خاص نشاط اور اُمنگ حاصل ہے ، اور اس سے جتنی سچی خوشی ملتی ہے ، شاید —— صوفی کے دل پر الہام ، عاشق کی سماعت پر وصل کے پیغام اور رند کے ہاتھ میں چھلکتے جام سے بھی اُتنی بے تحاشا خوشی کو تصور میں بیک وقت لایا نہیں جا سکتا۔

اسیرِ بے زنجیر ، **غلامُ نظامُ الدّین**

معظم آباد جمعرات ٦ بجے شام ۱۹٧۲-۱۲-۲٨

# خط : ٦

وزیرِ بے نظیر !

حبیبی !

علیک الف سلام !

شکوۂ غم ترے حضور کیا ہم نے بے شک بڑا قصور کیا

یہ بھی اک چھیڑ ہے کہ قدرت نے تم کو خود بیں ، ہمیں غیور کیا

Marfat.com

جمعہ، ۹ مارچ ۱۹۷۳ء کو آپ نے ——— میری سابقہ کوتاہیوں کو نظر انداز کرتے ہوئے آیندہ کے لئے اپنی کامل رضامندی کا اظہار تو کر دیا۔ لیکن آپ کے ۸ مارچ والے خط میں انبوہ مسائل و مصائب کا ذکر تھا۔ خانگی معاملات میں نے آپ سے کبھی پوچھے ہی نہیں اور نہ ہی اس سے سروکار رکھنے کا مجھے کچھ جواز ہے۔ لیکن جو مسائل خاص آپ کی ذات سے وابستہ ہیں، اُن کا باوجود بار بار کے استفسار کے بھی، مجھ سے ذکر نہ کرنا ——— آپ خود ہی کہیں کہ ——— کہاں تک انصاف ہے؟

میں نے ۲۷ نومبر ۱۹۷۲ء سے چند روز پہلے ——— ایک تجویز پیش کی تھی کہ آپ اپنی ذات کے بارے میں، میرے ساتھ زیادہ سے زیادہ گفتگو کیا کریں تاکہ میرے اس گمان کو شکست ہو کہ آپ مجھے غیر سمجھ کر نظر انداز کرنے کی رَو میں ہیں۔ آپ کی ہمکلامی سے میرے احساسِ بے کسی کی بھی تردید ہو گی۔ اس تدبیر سے میرا اندرونی غم تحلیل ہو جائے گا، اور دوستی کا جوہر صدق و صفا میری طبیعت کے پورے ماحول میں چکا چوند کا سماں باندھ سکے گا۔

آپ نے شاید اس تجویز کو بھی غیر ضروری قرار دیا۔ کیونکہ میری حرماں نصیبی اور شکستہ خاطری میں کچھ اصلاح نہ ہو سکی۔ آپ کی طویل اور مسلسل خاموشی ۔ بے نیازی کا گہرا رنگ لئے ہوتی ہے۔ ——— جس سے میری تحت النفسی سطح پر اندوہ کا غیر معمولی دباؤ ہے اور یوں اندیشہ ہائے دور و دراز اور طرح طرح کے وسوسے اور شکوک میرے وحشی دل کو باولے کتے کی طرح چوطرفہ گھیرے میں لے کر سنگبارانِ ستم میں گرمجوشیاں دکھاتے ہیں۔ میں اِدھر قنوط کی گپھاؤں میں سودائیوں کی طرح ہانکا جا رہا ہوں اور اُدھر آپ کا رنگِ استغنا کچھ اور ہی بانکپن سے بھڑک اُٹھتا ہے۔

آپ کی یہ جوابی بے نیازی، میری خود پرستی کا قدرتی ردِ عمل معلوم ہوتی ہے۔ میری خود پرستی یہ ہے کہ میں نے آپ کی خدمت میں بار ہا اپنی سفارش خود ہی پیش

کی ہے ـــــ کہ میرا دل بہت ہی کمزور ہے، آپ کی جواں مردی اور ہمت، اس کی حوصلہ افزائی میں ہے نہ کہ اس سے غفلت برتنے میں!

آپ کی طرف سے سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ میری طرف متوجہ رہنے کی آپ کو فرصت نہیں ملتی۔ واقعات کی روشنی میں اس کا جواب یہ ہے کہ ـــــ گئے سال بھی آپ کے حالات کم و بیش وہی تھے، جو آج ہیں۔ پچھلے سال آپ خط و کتابت بھی کافی کرتے تھے اور ملا بھی کرتے تھے، کبھی شہر میں کبھی کالج، کبھی مکان پر اور حتیٰ کہ معظم آباد میں بھی دوسرے تیسرے مہینے آجاتے تھے۔ اب عُرس ـــــ جولائی ۱۹۷۲ء ـــــ کے بعد، آپ معظم آباد ابھی تک نہیں آئے نہ ہی آپکے آنے کا کوئی قصد معلوم ہوتا ہے اور یہی حال آپ کی خط و کتابت کا ہے۔ گزشتہ چند ماہ میں، آپ سے اپنے خطوط کا جواب حاصل کرنے کے لئے مجھے یاد ہے کہ کبھی دو، کبھی ایک اور کبھی کبھی تین تین یاد دہانی نامے لکھنے پڑتے تھے، تب جا کر آپ نے دو سطری جواب لکھا اور وہ بھی جواب کیا بلکہ خط اور یاد دہانیوں کی مشترکہ رسید؟ اور بس! کیا ایسا ہی نہیں ہے، جیسے میں لکھ رہا ہوں؟

نہ نگہ، نے پیام، نے وعدہ
ہم بھی کہنے کو یار رکھتے ہیں

اب مجھے یہ توقع بھی عام طور پر نہیں ہوتی کہ ـــــ میرے لکھے بغیر آپ از خود بھی خدانخواستہ کوئی لفظ مجھے لکھ دیں گے۔ ہمارے باہمی تعلق میں یک طرفگی کی جھلک کچھ زیادہ ہی نمایاں ہونے لگی ہے، اور ایسے معلوم ہوتا ہے کہ آپ مجھ پر اندر سے اگر خفا نہیں ہیں تو ظاہر میں کچھ خوش بھی نہیں ہیں مجھے آپ کی ذات پر جو ایک بے پناہ ناز تھا۔۔ اب آپ ہی نے بتانا ہے کہ آئندہ بھی مجھے آپ پر اتنا ہی ناز رکھنا رَوا

اور بجا ہے یا کم و بیش ؟ میں آپ سے پوچھے بغیر نہ کچھ سوچ سکتا ہوں اور نہ کچھ کر سکتا ہوں۔ اور آپ مجھے ہر وقت کم فرصتی ہی جتلاتے رہیں گے تو میرا انجام کیا ہوگا؟

اپنی تصویر جو آپ نے مجھے بھیجی ہے، اس کا نیگیٹو بھی منگا دیں۔ میری طبیعت حالات کے تحت اب بہت ہی شکی سی ہوگئی ہے۔ ممکن ہے آپ کو نئی تصویر بنوانے کا وقت ہی نہ ملے ؟ ممکن ہے آپ کو سرے سے یاد ہی نہ رہے کہ —— نئے آغازِ بہار میں آپ کے جمال سراپا کی تازہ تر تصویر کا میں نے مطالبہ کیا ہے ؟ پھر میں اس سابقہ تصویر سے تو محروم نہ رہوں۔ اگر نیگیٹو مل جائے تو اس کی کاپی سب سے بڑے سائز میں "انلارج کرانی ہے جسے" —— جناب حافظ محمدؐ یوسف سدیدی کی وساطت سے رفیق چغتائی صاحب سے رنگین کرانا چاہتا ہوں۔

اس تصویرِ بے نظیر کو —— میں اپنے مطالعہ کے کمرے میں سجاؤں گا۔

پایان!

اسیرِ بے زنجیر غلامُ نظامُ الدّین

معظم آباد —— ۴۸-۱۰ بجے شب

۱۴ مارچ، ۱۹۷۳ء

## خط : ۷

وزیرِ بے نظیر

حبیبی!

علیک الف سلام !

گذشتہ منگل، بھلوال سے واپس آنے کے بعد، طبیعت میں کمزوری بتدریج

Marfat.com

بڑھتی گئی۔ اس وقت میرے بازوؤں پر صبح و شام دو دو ٹیکے روزانہ لگ رہے ہیں بیماری کی شدت ہے لیکن شہر یارِ جمال کا خیال دل سے فراموش نہیں ہوا۔ عرس پر صوفی مخمور سدیدی اور شہر یارِ جمال ——— دونوں جانبوں سے مجھے بے پناہ خوشی پہنچی تھی۔ وہ خوشی اتنی استمراری اور پایداری تھی کہ ——— دل ابھی تک اس کی وجدانی کیفیت سے جھوم رہا ہے۔ حالانکہ بظاہر میری طبیعت، بوجہ علالت فی الحال کسی خوشس ذوقی کی چنداں متحمل نہیں ہو سکتی۔

عرس کے بعد سے آج تک ——— میں واضح طور پر دیکھ رہا ہوں کہ شہر یارِ جمال کی عنایت میری طرف پہلے کی بہ نسبت زیادہ متوجہ ہے۔ اس کی علامت یہ ہے کہ ——— میں پہلے بھی آپ کی محبت کا اسیرِ بے زنجیر تھا۔ لیکن اب تو شہر یارِ جمال کی جکڑ بند اتنی سخت ہے کہ مجھے لحہ بھر بھی اس کی یاد سے غافل ہونے کی فرصت نہیں۔

دل تابعِ کشش تھا، کشش تابعِ جمال

ہاں! ہاں! محبت آپ سے کی اور ضرور کی

میری باتیں چھوڑیں۔ آپ اپنی سنائیں۔ پہلے امتحان میں شریک ہو رہے ہیں یا دوسرے میں؟ شاخِ گل جو میری درویشانہ محبت کی روداد ہے۔ آج کل میں پہنچنے والی ہے۔ غزلیات کے اس مختصر مجموعے کا انتساب آپ ہی کے نام ہے۔ لاہور سے چھپ کر کتاب پہلے آپ کے پاس آئے گی۔ آپ دیکھ چکیں گے تو میں بعد میں دیکھوں گا۔

اسیرِ بے زنجیر، غلام نظام الدین

معظم آباد ۱۹۷۳-۷-۲۹ء

Marfat.com

# خط نمبر ۴

(میاں ریاض صاحب کے نام)

محبِ گرامی!

میاں صاحب، مکرّم و محترم!

سلامِ شوق! مزاجِ عالی؟

آج ۲۳ مارچ ۱۹۸۳ء ہے۔ آج سے چھ برس پہلے اسی تاریخ کو، میں نے پشیمانِ وزیر کے موضوع پر، بزبانِ قلم، آپ سے گفتگو کی تھی

آج پھر کہنے کو ہوں ہوش و خرد کو خیرباد
آج پھر اٹھنے لگی ہے دِل کے اندر تیری یاد
دَرد و داغ و سوز و سودا حسبِ سابق آج پھر
آگئے پرسش کو باہم ہمدمانِ خانہ زاد

چھ سال کا طویل عرصہ گزر گیا۔ وزیر کا شباب ——— دریا کے چڑھاؤ کی طرح، اپنے عنفوان کی طرف، پورے جوش و جذبہ سے لپک لپک کر بڑھتا رہا ——— جب کہ میں محدود النظر حیرت زدہ مہر بہ لب ہی رہا۔

مجھ کو یہ حکم ہوا ہے کہ محبت نہ کروں
زلف بکھرے بھی تو ظاہر کوئی وحشت نہ کروں

ورنہ، آپ خود ہی سوچیں کہ ——— حواس میرے کام کریں اور وزیر پر میں کچھ نہ بولوں! ہاتھ میرا ساتھ دے اور وزیر پہ لکھنے میں، میں دریغ برتوں! نہ یہ کسی صورت میں روا ہے اور نہ وُہ کسی حالت میں بجا! حیرت ہے کہ ——— یہ چھ سال کا عرصہ میں نے خاموشی میں کیسے گزار لیا؟

Marfat.com

یہ طویل حبسِ ذات اور ضبطِ نفس، ایک قسم کی باطن کُشی تھی۔ یہ ایک سنگین جبر تھا ـــــــــ جس کا مجھے ہرگز تحمل نہ تھا۔ یہ ایک ناقابلِ برداشت پرہیز تھا جو، ـــــــــ ایک مہلک روگ اور موذی دیمک کی طرح میری صلاحیتوں اور قوتوں کو اندر ہی اندر سے چاٹتا رہا ہے

قبل اس کے کہ ـــــــــ لوح و قلم سے پرہیز کرنے پر میرے اندر ایک نئی توانا شخصیّت جنم لے، قریب تر ہے کہ ـــــــــ میری حقیقتِ نفس یا میرے اندر کا جسمِ لطیف یا داخلی پرتوِ ذات ایک ہولناک ہلاکت سے دو چار ہو کر رہ جائیں؟

چنانچہ اسی خدشے کے پیشِ نظر، میرے اندر بغاوت کا شعلہ بھڑکا اور آج میں نے فکر و خیال پر ہر قسم کی قدغن اور لوح و قلم سے پرہیز کے خلاف کھلا احتجاج کرتے ہوئے کچھ نہ کچھ لکھ ڈالنے کا تہیّہ کر لیا ہے۔

ترکِ شراب و شاھدم بیمار کردہ است اے طبیب!
صحت نخواہم یافتن تا نشکنم پرہیز را

چنانچہ سوال پیدا ہوا کہ ـــــــــ کیا لکھوں اور کیا نہ لکھوں؟

جسم کے ساتھ فوری رابطہ جان کا ہے، اور جان کے ریزے ریزے میں از سر تا پا وزیر ہی وزیر خیمہ انداز اور جلوہ فگن ہے۔ لہٰذا ذکر اسی کا لکھنے لگا ہوں، جو سوتے، جاگتے میں نظر سے اوجھل کبھی نہیں ہوا، یعنی ـــــــــ وزیر! اور وزیر ـــــــــ جو متاعِ حیات سے کسی طرح بھی کم تر عزیز نہیں۔ بلکہ ـــــــــ وہ تو خود عینِ حیات ہے۔

ماضی میں اس کے ذکرِ خیر سے مجھے جو محروم رکھا گیا ہے، گویا قدرت مجھ سے قبل از مرگ ـــــــــ موتوا قبل ان تموتوا ـــــــــ کی مشق

Marfat.com

کراتی رہی ہے۔ گھٹا جو دیر بعد اٹھے، جھوم کر برستی ہے:

تندو پر شور و سیہ مست ز کہسار آمد
میکشان مژدہ! کہ ابر آمد و بسیار آمد

مژدہ باد کہ —— ذکرِ حبیب کی پھر گرم بازاری ہوئی اور رمزو ایما کے پردے میں —— دو مطبوع و موزوں کہانیوں کی تیاری ہوئی:

سخنِ دوست گران بود، فدا دان کردم
جان بہ بیعانہ بیارید کہ ارزان کردم

ایک کہانی ایک وحشی عقاب کی ہے اور دوسری کا عنوان ھما کی تلاش ہے اور اسلوب کی آڑ میں بات —— اپنے ہی قریبی ماحول کی کہی گئی ہے۔ رمزو ایما کے عقدے اور علامتوں کی گرہیں کھلنے پر ماضی کی دلچسپیاں سامنے آنے لگیں گی

خوشتر آن باشد کہ سرِّ دلبران
گفتہ آید در حدیثِ دیگران

چنانچہ ملاحظہ ہوں کہانیاں —— وحشی عقاب[1] اور ہما[2] کی تلاش!

غلام نظام الدین
خانقاہ معظمیہ —— معظم آباد
۲۳ مارچ ۱۹۸۳ء

# وحشی عقاب

نُون کے دائرے میں پیوست نقطے کی طرح ———— گہرے نیلے سمندروں کے بیچوں بیچ ایک خوشنما و پُرفضا جزیرہ نمودار ہوا ہے ———— نہایت خرّم و شاداب! اس فرخندہ نہاد، گیتی زاد، فردوسی نژاد قطعۂ ارض کو نامعلوم ادوار سے سمندر اپنی آغوشِ محبّت میں لیے ہُوئے ہے۔ نہ سمندر کے شوق اور تشنگی کی کبھی تسکین ہُوئی اور نہ اس تودۂ خاک کے مطلوب و محبوب ہونے میں کبھی کوئی فرق آیا۔

اُوپر نیلے گگن میں ———— مہر و ماہ اپنی دو روشن آنکھوں سے اس خطۂ پا کی خوبی و زیبائی اور صفائی و رعنائی کی دیکھ دیکھ کر نہال ہیں۔ کہکشاں کے صحیفۂ نگا میں کوئی نورانی کوکب اتنا ارجمند و میموں نہیں، جتنا ———— بسیطۂ بح میں یہ خاک زاد جزیرہ سربرآوردہ و موزوں ہے۔ تلاطم کے وقت ان گنت موجیں پلٹ پلٹ کر، اپنی پیشانی اس کی دہلیز پہ رگڑتی رہتی ہیں۔ طلوع کے بعد ———— اوّلین نوخیز کرنیں، اس جزیرے کی پیشگاہ کو محض مَس کرنے کے لئے، لاجوردی حوض میں غسل کئے بغیر آگے نہیں بڑھتیں۔

انسانی قدم نے تاحال، اس جزیرے کو چھوا تک نہیں لہٰذا ———— کے تعاقب میں فسق و فجور اور تقصیر و معصیت کی پرچھائیاں بھی یہاں کبھی جھانک نہیں سکیں۔ پاک ماحول اور پوتّر فضا میں سکون و اطمینان کا بسیرا ہے اور اطرا جوانب کی نگہبانی پر نور و نکہت کا ہر وقت چوکس پہرا ہے۔

جزیرے کی ساخت کچھ اس طرح کی ہے کہ ———— اپنے دَور ـ

Marfat.com

مرکز کی طرف بتدریج مرتفع ہوتا چلا گیا ہے۔ تمام سطح خس پوش ہے۔ دور سے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے ——— نیلے پانیوں پر ایک بڑا سا پیالہ اوندھا تیرتا پھرتا ہے۔ جزیرے کے کناروں پر ساحل کا کٹاؤ ہے۔ ——— جس پر تند و تیز لہریں اور شوریدہ سر امواج عالم وارفتگی میں جب اُٹھ اُٹھ کر سر پٹکتی ہیں تو شور لہر پلٹ جاتا ہے اور گلی سڑی چھوٹی چھوٹی مچھلیاں، سیپ اور گھونگھے ——— چمکدار ریتلی سطح پر دُور دُور تک بکھرے پڑے نظر آتے ہیں۔ ان گلی سڑی مچھلیوں کی موجودگی ہیں، جزیرے کے کناروں کناروں پر ایک خاص قسم کی سڑاند اور بساند محسوس ہوتی رہتی ہے۔ جزیرے میں کہیں کہیں فاصلے فاصلے پر ——— ہرے بھرے مرغزاروں، نفیس بستانوں، خوش وضع کنجوں اور خوش قطع حدیقوں کی قدرتی ترتیب و تیاری، نظارے کو غیر معمولی حد تک بھڑکا دیتی ہے۔ غزالوں کی محبوبانہ جست و خیز اور مستانہ کُلیل اور ——— غرور و ناز میں جھومتے ناچتے طاؤسوں کی جھنکار اور ——— جھرنوں کی چھوٹ سے، جزیرے کا رمنا ایک عمدہ دیدگاہ بن گیا ہے۔ پاکیزہ اور لطیف ہواؤں کے جھونکے لپک لپک کر جزیرے کے چہرے سے اُداسی کا رنگ ہر وقت مانجھتے رہتے ہیں۔

یہ بدیع المنظر جزیرہ ——— اپنی پاکیزگی و لطافت اور خوبی و نفاست کے اعتبار سے، پریوں کی زاد بوم اور مقدس دیوتاؤں کی نزہت گاہ معلوم ہوتا تھا نون کے گھیرے میں، جس طرح ——— نقطہ ——— صدر نشین یا تمکین ہے اسی طرح رمنا کے عین وسط میں ایک گومڑا ہے جس پہ ——— گلاب کی ایک جھاڑی ہے ——— جس کی پانچ شاخیں، انگلی انگلی کے برابر موٹی موٹی، تنے سے جدا ہو رہی ہیں اور اطراف کو تھوڑی دور تک پھیل رہی ہیں۔

Marfat.com

پتے ان شاخوں پر کثرت سے نہیں ہیں۔

آفتاب کا نورانی پرتو! ———— جب اس جھاڑی کو مَس کرتا آگے گزر جاتا ہے تو نیچے سطح زمین پر، ٹہنیوں کے بے ڈول سائے کے ساتھ پتوں کے چھپکے ہوئے عکس ———— اپنے ماحول کے باہمی تناسب میں نظرافروز ڈیزائن بنا دیتے ہیں۔

گلاب کی اس جھاڑی کی چوٹی پر، مختصر سے پتوں کی ایک ———— مخروطی پھننگ بن رہی ہے۔ اس میں سے ایک کومل سی سبز رنگ سلائی برآمد ہو رہی ہے۔ اس سبز سلائی کے سرے پر ایک تنہا پھول کھلا ہے ———— جس کی باس پورے جزیرے کو مست کئے دیتی ہے۔ جزیرے کے اطراف سے اٹھنے والے بادل اپنی پلکوں سے اس پھول کی تپسیاں نکھارتے ہیں۔ موجوں کے تلاطم سے جنبش میں آنے والی ہوائیں اور گرد والوں کے جھولوں سے سرکنے والے جھونکے ———— اپنے ہولے ہولے سانسوں سے اس کے فروغِ حسن اور شعلۂ جمال کو بھڑکا رہے ہیں۔

انسانی قدموں کی چاپ کہیں سنائی نہیں دیتی۔ بلبل کے ٹوٹے پر دل اور پنجوں کے نشان آس پاس کہیں بھی دکھائی نہیں دیتے۔ یوں محسوس ہوتا ہے ———— قدرت نے محض اپنی تسکین کے لئے اس تنہا پھول کو ایسے فردوسی ماحول میں، سو ناز سے پرورش کیا ہے۔"

پھول ———— جس بلند ترین ٹہنی پر اجلاس کر رہا ہے وہ ٹہنی عمودی نہیں بلکہ طلوع کے رُخ پہ ایک مناسب زاویے پر جھکی ہوئی ہے۔ اس ٹہنی پر گلِ رعنا کی نشست بالکل وہی بہار دکھا رہی ہے ———— جیسے بادشاہِ حُسن مرکبِ ناز پر سوار ہو کر باہر ہوا خوری کے لئے نکل پڑے۔ پھول

کی تازگی اور برجستگی اپنے مقام پر ایک الگ معجزہ خیز منظر ہے۔

پھول اپنے جمال و کمال سے شاید مطلع نہیں، ورنہ وہ اپنی خوشبو کے ساتھ خود بھی لا انتہائیت کی طرف اڑ جاتا اور ــــــــ ابدیت میں جا کر جذب ہو جاتا تو کچھ بعید نہ تھا۔

اس جواں پھول کی، عالم یکتائی و تنہائی میں، فوق المثال رعنائی و زیبائی نے اردگرد کے ماحول کو ایک طلسم کدہ بنا دیا ہے ــــــــ ہوش وہاں ٹھٹھک جائے اور ــــــــ حواس حیرت میں گم ہو جائیں کہ ــــــــ

ــــــــ یہ مقام کیا ہے اور یہ ماحول کیسا ہے؟

سورج کی روشنی جس طرح پوری فضا کو اپنے وجود سے بھر لیتی ہے ــــــــ نہ فضا تنگ ہوتی ہے اور نہ روشنی چھلک کر کہیں باہر سرک پڑتی ہے اسی طرح ایک عظیم بصیرت و بصارت ــــــــ اس کُرے کے چاروں طرف غلاف کئے ہوئے ہے یہ ــــــــ ہمہ گیر بصارت ــــــــ جزیرے کے ماحول پر پوری طرح حاوی ہے اور غیر معمولی استقلالِ استعداد کے ساتھ اس کے جزو و کل کی پاسبان و نگران بھی ہے اور کامل طور پر خبیر و بصیر بھی۔!

پروں کی تیز پھڑپھڑاہٹ نے اردگرد ایک کھلبلی مچا دی۔ جزیرے کی ملکوتی فضا یکدم چونک پڑتی ہے۔ ہمہ گیر بصارت ــــــــ ہر طرف برابر نگراں ہے اور ایک گراں ڈیل ڈھانچہ سا اور ایک تاریک ہیولیٰ سا پھریرے کی طرح اڑتا۔ لہراتا چلا آ رہا ہے۔ حدِ شناخت میں آنے کے بعد معلوم ہو جاتا ہے کہ۔

Marfat.com

ــــــ یہ ایک وحشی عقاب ہے ــــــ بہت خوفناک اور غیر معمولی طاقت و قوت کا مالک قہر و خشم کا شعلۂ جوالہ اور آتش غضب کا پرکالہ ــــــ اس کی غصیلی نظروں اور اس کی تیز چنگھاڑ سے برق و رعد پڑے ٹپکتے ہیں۔ بلند بال اور تیز رفتار اتنا کہ ــــــ خود زمانہ پرچھائیں بن کر اس کے پیچھے پیچھے اڑتا پھرے۔ آزادہ رو اور لاپرواہ اتنا کہ ــــــ آگے سے مزاحم ہونے والی کسی بھی قوت کو حقارت سے ٹھکراتا جائے اور اپنی تند و تیز لپک اور جھپٹ سے گویا بجلی کے کوندے برساتا جائے

اس خشمگین عقاب کی محض آمد ہی سے سارے رنا کی فضا سہمناک سی ہو کر رہ گئی ہے۔ ہمہ گیر بصارت ــــــ دیکھ رہی ہے کہ یہ وحشی عقاب ــــــ فضا میں ایک مناسب بلندی پر دور کہیں نظریں جمائے دھیمی رفتار سے اڑتا چلا جا رہا ہے۔ بظاہر اس اڑان کا کوئی ہدف نظر نہیں آتا یوں معلوم ہوتا ہے کہ خود کو زندہ رکھنے کے لئے مطلوبہ قوت سے زائد قوت کو بے مقصد اڑان میں صرف کر رہا ہے۔

ہمہ گیر بصارت غور سے دیکھ رہی ہے کہ ــــــ یہ وحشی عقاب یہاں کیسے در آیا؟ لیکن ہمہ گیر بصارت ــــــ عقاب کی سرگرمیوں میں کوئی مداخلت نہیں کرتی البتہ اس کی بے مقصد اڑان کو دلچسپی اور حیرت سے معائنہ کر رہی ہے۔

وحشی عقاب ذرا آگے کو سمندر کی جانب بڑھتا ہے لیکن ساحل پر پہنچنے سے پہلے پلٹ آتا ہے۔ رنا کی چوٹی پر ننھا پھول کو دیکھتا ہے ــــــ پھ

Marfat.com

اس کے گرد ذرا کھلے دائرے میں والہانہ طواف کرنے لگتا ہے۔ ــــــــ

ہمہ گیر بصارت ـــــــ یہ اچنبا دیکھ رہی ہے کہ ـــــــ عقاب، اور رنگ و بو سے متاثر ہے ۔ یہ کیسے ہے ؟ ماس خورہ وحشی پکھیرو ـــــــ جو پشتوں پہلے چھینا جھپٹی کی جابرانہ و قاہرانہ عادت و خصلت کی بنا پر تہذیب و شائستگی سے یکسر محروم ہے۔ اب اچانک اس کی حسوں میں اتنی اعلیٰ درجے کی لطافت اور سبک رُوحی کہاں سے آ گئی ؟

ہمہ گیر بصارت ـــــــ دیکھ رہی ہے کہ ـــــــ شاید اس وحشی کو مغالطہ ہو گیا ہے اور نظر کی فریب خوردگی نے اسے گلاب کے سُرخ انگارہ نما دہکتے پھول کو کچے ماس کا، جھاڑی پر اٹکا ہُوا ٹکڑا باور کرنے پر مجبور کر دیا ہے۔

لیکن، ـــــــ ایسا بھی نہیں! کیونکہ مغالطہ ہو گیا ہوتا تو جھپٹا بھی مارتا! لیکن یہ وحشی عقاب ـــــــ طواف کر رہا ہے اور لپک جھپٹ کی طرف ہرگز مائل نہیں۔

وحشی عقاب ـــــــ پھر ساحل کی طرف پلٹتا ہے اور کوشش کرتا ہے کہ خود کو کھینچ تان کر ـــــــ آگے، ساحل تک ـــــــ بہر حال لے ہی جائے۔

ہمہ گیر بصارت ان سرگرمیوں کا حیرت سے معائنہ کر رہی ہے ـــــــ یہ آوارہ، وحشی پنچھی ـــــــ معلوم نہیں اس کا وطن کہاں ہے ؟ اس کے اہلِ خاندان اور قبیلے کے دوسرے افراد کہاں رہتے ہیں ؟ یہ اپنے ساتھیوں سے جُدا کیسے ہُوا ؟ اس چھپے ہوئے گوشے اور اس مبارک خطے میں، اس کا گزر

Marfat.com

کیسے ہوا؛ یہاں کون سی ایسی مقناطیسی کشش ہے ـــــــــ جو اس کے تمام بہیمی جذبات کو کمند کر کے ـــــــــ وابستۂ آئین انسیت و محبت اور شائستۂ آدابِ غلامی و فداکاری کئے ہوئے ہے! یہ انقلاب کیسا ہے؟ اتنا بڑا انقلاب؟ تبدیلیٔ فطرت اور قلبِ جبلّت کا انقلاب! اگر اسی طرح ہے ـــــــــ جیسا کہ نظر آرہا ہے تو ـــــــــ جب سے سُورج نے انوار اگلنے شروع کئے تھے، اور ـــــــــ جب تک سورج نورانی شعاعوں کی جگالی کرتا رہے گا ـــــــــ اس سے بڑھ کر حیرت افزا واقعہ اور کوئی نہ ہو گا!

خیر ابھی اور دیکھنا چاہیئے۔

ہمہ گیر بصارت دیکھ رہی ہے اور آنے والے واقعات کا شدّت سے انتظار کر رہی ہے۔ وحشی عقاب ـــــــــ ساحل پر پہنچے بغیر، ناکام پلٹ آتا ہے اور پھر نئے ذوق و شوق اور تر و تازہ شغف و انہماک کے ساتھ ـــــــــ رمنا کے اوجِ اقبال، مرکزِ جمال ـــــــــ

اسی ننھا پھول کے گرد پہلے سے زیادہ قریبی مدار پر چکر کاٹنے لگتا ہے۔

اب اس کی رفتار، پہلے کی نسبت بتدریج مدھم پڑتی جا رہی ہے۔ اسے اپنی تمام توانائی و برنائی سمیت ـــــــــ اب اپنے جسم کو سنبھالنا بھی مشکل نظر آرہا ہے ـــــــــ کوہستانوں پر اس کے منڈلانے اور ذرا سی باس گند محسوس ہونے پر، اس کے بے تابانہ جھپٹنے اور ولولہ و خروش کا انداز ـــــــــ شاید اس سے سلب ہو چکا ہے۔ اس کا رعب و وقار اور ہیبت و دبدبہ، اب معلوم ہوتا ہے کہ محض بے حقیقت ہو کر رہ گئے ہیں۔ اس کی قہر آلودہ نگاہوں میں

Marfat.com

غصے کی لو بالکل ماند پڑ چکی ہے۔ بھاری بھرکم اور بوجھل جسم کو وہ بمشکل اٹھائے پھرتا ہے اور اس کی بے مقصد اڑان سب سے زیادہ تعجب خیز ہے۔

ہمہ گیر بصارت دیکھ رہی ہے کہ ——— ساحل پر گلی سڑی مچھلیوں کی بساند اور سڑاند ——— اس آوارہ و بے خانماں عقاب کو اپنی طرف شدت سے کھینچتی ہے۔ بھوک بنیادی جبلت ہے اور اس سے صرفِ نظر کرنا گویا فطرت اور زندگی کی تردید کرنا ہے۔

اتنے میں وحشی عقاب ——— ساحل پر پہنچے بغیر ناکام پلٹ آتا ہے۔

ہمہ گیر بصارت اب اس مشاہدے میں سرتاپا منہمک ہے کہ ——— وحشی عقاب اپنی جبلت کے ہاتھوں مجبور ہو کر ——— ساحل کی طرف بے اختیار بڑھتا ہے لیکن ہر بار پھول کی ——— زور دار اور پرکشش یاد کی ڈوری اسے پتنگ کی طرح واپس کھینچ لاتی ہے۔

یوں عقاب کی جبلت اور اس کے نومولود مذاقِ نظر میں تصادم ہو جاتا ہے۔ دوچار الٹے سیدھے پھیرے وہ ساحل کی طرف لگاتا ہے تو وہاں ——— جھانکنے جھپٹنے سے پہلے ہی ——— جذبِ الفت سے مجبور ہو کر ناکام و نامراد اپنے مرجع کی طرف ——— کی طرف پلٹ آتا ہے اور پلٹ کر جب آتا ہے تو سوائے ——— اس پھول کے گرد چکر کاٹتے رہنے کے ——— اور کسی وظیفۂ حیات میں کچھ بھی دلچسپی نہیں لیتا۔

یہ ماجرا کیا ہے؟ اس کی تہہ میں چھپے ہوئے مضمرات کیا ہیں؟ ایسا کبھی ہوا نہیں! یہ معمہ کیا ہے؟

Marfat.com

وحشی عقاب پہلے ہی حد درجہ ہلکان ہو چکا تھا۔ اب دیکھتے ہی دیکھتے اس کی بچی کھچی تاب و طاقت جواب دینے لگی۔ پرواز ـــــــــ جو، اسے اتنی ہی عزیز تھی جتنی کہ خود متاعِ حیات! افسوس کہ اب وہی محبوب ترین مشغلہ اُسے تھوڑے سے وقت تک بھی جاری رکھنا دوبھر ہو گیا تھا۔ سانس کی رو اکھڑ کر ہچکچانے لگی۔ خود اپنا جسم اسے بلائے جان لگنے لگا اتنی جانکاہ محنت اور اتنی ہمت شکن اذیت کا اس سے پہلے اُسے کبھی تجربہ نہ ہوا تھا۔ قوٰی کا ضعف و اضمحلال اسے بغیر کسی تاخیر کے ہلاکت کی طرف لیے جا رہا تھا۔

حالات سے صاف معلوم ہوتا تھا کہ ـــــــــ اب اس کی داخلی کشمکش کسی فیصلہ کن انتہا کو پہنچنے والی ہے۔ ہمہ گیر بصارت یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی۔ اور اس کے ساتھ ہی ایک ہمہ گیر جذبۂ ترحم بھی جزیرے کی، فضا ہیں، اسی لمحہ آن نمودار ہوا۔

پرواز کی ہموار رفتار اپنا طبعی تناسب کھو چکی تھی۔ وحشی عقاب کی تمام صلاحیتیں کمھلا چکی تھیں۔ اس کی تمام جری قوتیں کھولت و زوال کے ہاتھوں مدھم ہوتے ہوتے، اب ناکارہ ہو کر رہ گئی تھیں۔

وحشی عقاب ـــــــــ اب زمین کے بہت قریب اتر آیا، اور تنہا پھول کے عین حضور میں، تھوڑے فاصلے پر طواف کرنے لگا۔

ہمہ گیر بصارت اب رحم آمیز غور و شفقت سے دیکھ رہی تھی کہ ـــــــــ وحشی عقاب کا داخلی کرب و اضطراب اب نہ جانے کیا نتیجہ سامنے لاتے؟ اگرچہ یہ نتیجہ بھی بہت ہی قریب سے پسِ پردہ جھانک رہا تھا۔

Marfat.com

بے بسی اور بے چارگی کی اندوہناک گھڑی بالآخر آن پہنچی ۔ وحشی عقاب کی حسیں کُند ہوگئیں ۔ دنیا اس کی نظریں دھندلا گئی ۔ رمنا کا روشن منظر ——— اب اس کی نگاہوں میں ایک موہوم تصویر اور دھندلے سے تصوّر کے علاوہ کچھ نہ تھا ۔ دور کہرے کے پیچھے سے جیسے مناظر جھلکتے ہوں ، اسی طرح تمام ماحول عقاب کی نظریں ——— ایک ملگجی اندھیرے سے ابدی تاریکیوں میں نہایت تیزی سے تحلیل ہوتا جا رہا تھا ۔

عقاب ہانپ چکا تھا اور پرواز اب محض افتان و خیزاں کی ایک کوششِ ناکام بن کر رہ گئی تھی ۔

ہمہ گیر بصارت فرطِ رحم و کرم سے بغایت متوجہ تھی کہ ———

فضاؤں کا فاتح ، فرازِ فلک کو بے دریغ تاخت کرنے والا جری ، بلندیوں پر چنگھاڑنے والا رعد ، چوٹیوں پر گونجنے والا برق زاد اور آتش مزاج طوفان ——— اب محض یک کفِ خاک و یک مُشتِ پر ، دہم کی ایک دل دوز آواز کے ساتھ فضا سے زمین پر آن گرا ۔

ہمہ گیر بصارت کی پلکیں رحم و کرم سے جھک گئیں ۔ وحشی عقاب نے بیخود ہو کر گرنے کے ساتھ ہی ، بے ساختہ طور پر خود کو گلاب کی جھاڑی کی طرف گھسیٹ گھسیٹ کر آگے بڑھانے کی کوشش کی ۔ جان کی آخری رمق اس بے چارے نے اسی زور آزمائی میں کھپا ڈالی ۔ اب عقاب کی خونخوار چونچ گلاب کی جڑ تک پہنچ چکی تھی ، جب کہ وہ خود ہواؤں کے بے پروا جھونکوں کے آگے مٹھی بھر خاکستر بنا پڑا تھا ۔

Marfat.com

ہمہ گیر بصارت دیکھ رہی تھی کہ ــــــــــــ وحشی عقاب
ماس خورہ ہے ۔تنہا پھول کی تازگی اور رنگ و روپ کی بھڑک وحشی عقاب
کو خیرہ کر گئی ۔ یہ خیرگی اگرچہ اَن ہل بے جوڑ کی طرف سے تھی ، لیکن وار اتنا
بھرپور تھا کہ ــــــــــــ تاثر کی شدت وحدت میں غریب
عقاب کی جان بھی بالآخر گداخت ہو کر رہ گئی ۔اسی خیرگی سے پھول کے حسنِ
خداداد اور اس کی البیلی پھبن کا اندازہ بھی کیا جا سکتا ہے ــــــــــــ
وہ حسن بھی آخر کیا حسن ہوگا ــــــــــــ جس کی کشش اڑیل کڑیل
وحشیٔ عقاب کی بھوک جیسی اٹل جبلت پر بھی فاتح و غالب ہو کر رہی ۔

ہمہ گیر بصارت محوِ تماشا تھی کہ ــــــــــــ طلسم کدۂ مجاز میں
الجھ کر دم توڑنے والا وحشی عقاب ــــــــــــ پنکھ پسارے جھاڑی
کے دامن میں مطلق بے حس و حرکت پڑا ہے کہ ایسے میں ــــــــــــ
تنہا پھول کی سرنگوں پتیاں ــــــــــــ اپنے ڈنٹھل سے ڈھلک ڈھلک
کر ، ایک ایک کر کے ــــــــــــ وحشی عقاب کے بدرنگ
اور کرخت پروں پر بکھر گئیں ۔

ہمہ گیر بصارت ــــــــــــ دم بخود تھی ! سبز رنگ کی ملائم
سلائی ــــــــــــ جس پر تنہا پھول کا نشیمن تھا ــــــــــــ
سوگوار اور سر خمیدہ تھی !

Marfat.com

# ہُما کی تلاش

میرے مسکن معظم آباد۔ کے قریب، انیس کلومیٹر کے فاصلے پر ایک مشہور و معروف وادیِ ظلمات ہے۔ اس کی شہرت عرصہ دراز سے گرد و نواح کے علاقوں میں، ایک افسانوی حیثیت اختیار کر چکی تھی۔ یہی افسانوی عنصر اس وادی کی کشش کو دلوں اور ذہنوں میں ہمیشہ زندہ رکھتا تھا۔ بڑے بڑے باہمت جوان، اس کی تسخیر و دریافت کو اپنی مہم جوئی میں سرِ فہرست رکھتے لیکن تھوڑی دیر کے بعد جلد اُکتا کر مایوس و ناکام لوٹ آتے۔ جلد اکتا جانے کی بھی معقول وجوہات تھیں جن کا ذکر آگے مناسب مقام پر آئے گا۔

ایک موہوم سی پیشگوئی یا گپ ——— جو ماضی کے بزرگوں سے جوانوں اور نو عمر بچوں کی طرف متوارث چلی آ رہی تھی، یہ تھی کہ ——— وادیِ ظلمات میں سُنا ہے وہ پرندہ پایا جاتا ہے کہ جس کا سایہ، جس کسی کے سر پر پڑ جائے وہ بادشاہ بن کر ہی رہتا ہے۔ اسی ایک افواہ نما پیشگوئی سے تجسّس اور بھی بھڑک اٹھتا تھا۔

وادیِ ظلمات کے بارے میں، ماضی سے کئی کہانیاں بھی مشہور ہو چکی تھیں۔ گو ان میں مقامی عنصر (NATIVE COLOUR) کی جھلک نمایاں ہوتی تھی تاہم ملکی سطح اور اس سے بھی بڑھ کر بین الاقوامی شہرت و عظمت کے حامل کردار بھی، ان کہانیوں کو سُن کر توجہ دیے بغیر رہ نہیں سکتے تھے۔ دراصل وادیِ ظلمات کی ساری اہمیت کا دارومدار ——— تجسّس کی کیفیت کو ہر دور اور ہر عہد و زماں میں زیادہ آب و تاب سے زندہ رکھنے اور جوان ہمتوں کے اس کی طرف بشدّت لپکنے کے ایک واحد راز پر منحصر تھا۔

کیمیا گری کے کرشموں، کرنسی نوٹوں کو دُگنا کرنے کی ترکیبوں اور موثر ترین جنسی نسخوں کی طرح وادیِ ظلمات کی ایک بڑی خصوصیت یہ بھی تھی کہ ——— جب نوجوانوں میں اس کے

Marfat.com

تذکرے چھڑتے تو تمہید کے رسمی تکلّف کو بھی برداشت نہیں کیا جا سکتا تھا۔ جذبۂ اشتیاق چھلک چھلک پڑتا تھا اور مطالبہ ہوتا تھا کہ مطلب کی کہیں اور ایک ہی سانس میں ساری حقیقت کہ ڈالیں اور اب اور زیادہ نہ تڑپائیں۔

طاؤسوں کا ایک غول کہکشاں کی ڈال سے اُتر کر، زمین کی سیر کے لیے چل نکلا۔ خدا جانے دوسروں کا حال کیا ہوا؟ یہ ایک جس کا ہم ذکر کر رہے ہیں، آسمان کی فردوسی فضاؤں سے اُڑتے ہی اپنے ساتھیوں سے بچھڑ گیا تھا۔ یہاں زمیں پر اکیلا اِدھر اُدھر اُڑا پھرا کرتا اور مشکل وقت کاٹا کرتا تھا۔

روایت میں یوں بیان کیا گیا ہے کہ —— کوئی اس کا ہمجنس اور محرم راز نہ تھا۔ لہذا وہ خود کو مشکلات میں گھرا ہوا، مہجور الاحباب شمار کرتا تھا۔ اپنے حال پر ہر لحظہ کُڑھتا اور ہر آن گُھٹا رہتا تھا۔ جھیل کے کنارے ایک روز بیٹھے بیٹھے اُس نے پانی میں جھانکا تو اپنے ہی جیسا ایک اور غمزدہ طاؤس اسے نظر آیا۔ اس سے اس کی ڈھارس بندھی۔ اُس نے اپنی دردناک سرگزشت سنانا شروع کی۔ شفاف پانی کے اندر والا طاؤس یوں معلوم ہوتا تھا کہ برابر متوجہ ہے۔ جیسے کوئی جنبش یا حرکت کنارے والا کرتا، اسی طرح کی حرکت جھیل کے اندر والا بھی کرتا۔ یوں کنارے والا، اپنے نئے ہمجنس سے بہت جلد مانوس ہو گیا۔ اب اس نے پیمانِ وفا استوار کرنے کے لیے گردن آگے بڑھائی، تاکہ دوسرے کی گردن میں گردن ڈال کر محبت کا پیچا ڈالا جائے۔

گردن، جذبات کی شدت میں آگے بڑھی، پانی آنکھوں میں بھر گیا، چونچ کیچڑ میں لت پت ہو گئی، کنارے کی گندی مٹی حلق میں اٹک گئی۔ تب اُس نے تیزی سے گردن باہر نکالی۔ اندر والا ہمجنس اب غائب تھا۔ پانی گدلا چکا تھا۔ سطح پہ باریک باریک لکیروں کے دائرے پھیل

Marfat.com

رہے تھے ۔ آسمانی طاؤس بدگمان ہوا کہ ——— میں یہاں کا باسی نہ تھا، زمین کا پھیر مجھے جُل دے گیا ہے، اور میرے اندر کا سارا راز بھی اب اس کے پاس پہنچ چکا ہے۔

چنانچہ ——— اس یقین کے ساتھ کہ میں فریب خوردہ، غریب الوطن ہوں وہ اور بھی اداس اداس رہنے لگا تھا۔ ہرے بھرے رمنا کے درختوں میں گھری ہوئی گرانہ پہاڑی پر، یہ بھٹکا ہوا طاؤس کبھی کبھی اترا کرتا تھا اور دس بارہ کوس ادھر ادھر تک سیر کے لیے نکل جایا کرتا تھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ یہ مقام اس کے خستہ دل کو کسی قدر لاس آیا ہے کہ اس پہاڑی پر بیک عہد وزمان کئی کئی روز برابر وہ دیکھا گیا ہے۔

روایت میں اس امر کی وضاحت نہیں کی گئی کہ ——— اس وقت تک جو وہ اسی پہاڑی سے چپکا پڑا رہا تو کیا زمین پر اس نے کچھ دلچسپیاں پیدا کرلی تھیں ؟ یا زمینی دلبستگیوں نے اُس کے دامن کو کبھی ڈھیلا ہی نہ چھوڑا ؟ یا تنہا باشی کی وجہ سے کم ہمتی اور بزدلی اس کے نظامِ افکار میں راہ پا چکی تھی ؟ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ اس نے مصائبِ سفر بھی اٹھائے، زمین پر اس کی اوّلیں محبت ناکام بھی ہوئی، جس کی وجہ سے زمین کے بارے میں ایک منفی خیال اُس کے دل میں ہر وقت تازہ رہتا تھا۔ لیکن طاؤس نے انتہائی تعجب ہے کہ ——— اس کے باوجود، کبھی اپنے وطن کی طرف لوٹ جانے کا قصد نہ کیا۔ وطن کی محبت اس کے دل سے محو نہیں ہوئی تھی۔ اڑتی پرچھائیوں کی طرح یادِ ایام، اُس کے آئینۂ خیال پر کبھی کبھی عکس انداز رہتی تھی۔

غول کے ساتھ وہ نکلا تھا، جن سے بچھڑ کر، شاید وہ اپنے میں قائدانہ صلاحیتوں کا فقدان پاتا تھا، یا شاید لمبی تنہائی نے اس کے ولولہ وخروش سے جدت پسندی، تازہ آفرینی اور تلاشِ نو کا عنصر چاٹ کھایا تھا۔ اور اسی سبب سے لمبی لمبی پروازیں اب اس نے ترک کردی تھیں۔ ایک دائم الاثر افسردگی اس کے نظامِ حیات کے ہر گوشے کو متاثر کر رہی تھی۔ حیرت ناک بلندیوں سے خوفناک پستیوں کی طرف وہ آیا تھا۔ شاید اسی لیے وہ ارفع خیالات سے محروم کردیا گیا

Marfat.com

تھا، یا شاید زمین کی آب و ہوا میں وہ اپنی بلند فطرت کے لاہوتی عناصر اور ملکوتی اجزا کی تیزی و برّش سلب ہو جانے پر، اب صابر و شاکر ہو چکا تھا۔ روایت اس بارے میں قطعی خاموش ہے کہ کرانہ کی سبز وادی میں سرمئی ڈونگری پر، جب پہلی بار اُس نے راحت و آرام کے لیے، اپنے پنکھ پسارے تھے تو اس وقت سے بعد کے تمام سلسلۂ اعمال و افکار میں واپسی کا میلان کہیں بھی جھلکتا دکھائی نہیں دیتا۔ ایسا کیوں ہوا؟ اس کا کوئی تسلی بخش جواب ہمارے علم میں نہیں ہے۔

چودھویں رات کو چاندا اپنا گریبان کھول دیتا۔ نُور کے جھرنے اس کے رگ و ریشے سے پھوٹ پڑتے۔ فضا کے ذرے اور زمین کی نسیں ساری ساری رات ان جھرنوں کو چاٹتی چوستی رہتی تھیں۔ سبزے میں ڈوبی ہوئی وادی نُور سے دُھل جانے کے بعد خرمنِ فیروزہ ولاجورد بن جاتی اور خوبصورت کرانہ پہاڑی اس وقت یوں معلوم ہوتا کہ ـــــ قریب کی کلیوں سے اُٹھنے والی البیلی باس کو ہوا کے جھونکے دھکیل دھکیل کر اسی جانب انبار کیے جا رہے ہیں۔ معطّر ہواؤں کی لپیٹ جب فضا میں رچ بس جاتی تو یہ اداس طاؤس اپنے کسی جذبے سے مغلوب ہو کر پنکھ جھاڑتا، پھر پر تولتا اور ایک پُر امید جست لے کر موجِ نسیم کے دوش پر سوار ہو جاتا۔ ساری ساری رات اِدھر اُدھر اڑتا پھرتا۔ صبح جب چندا دلہن مغرب کے غاروں میں اپنا سنگھار اتارتی تو تھکا ماندہ طاؤس بھی پہاڑی پر اپنے ٹھکانے میں اتر آیا۔ یہ رائیگاں سیر البتہ اس کے لیے ملال آفریں نہ تھی۔

ایک چودھویں بھڑک رہی تھی۔ آسمان پر ستاروں کے بکھرے خرمن کی چمک اور زمین پر سبزے کی مخملیں فرش پر اوس کے قطروں کی ڈلک ـــــ کائنات کے ماحول میں یک رنگی اور ہم آہنگی آمیز کر رہی تھی۔ طاؤس اپنی معمول کی پرواز پر نکلا۔ نُور سے لبریز وادی کے پیالہ نما گھیر میں، طاؤس کے پروں کی سرسراہٹ ایک اندوھگیں نغمے کی لَے معلوم ہوتی تھی۔

Marfat.com

رات بھر آسمان کے گنبد میں طاوس اُڑتے اُڑتے جب ہانپ گیا تو اُس نے اترنے کے نیچے نگاہ کی۔ خواجہ معظم دین کی خانقاہ کا مرمریں گنبد، چھٹکی ہوئی چاندنی میں ایک محبوب و دلاویز ستارے کی طرح چمک رہا تھا۔ طاوس نے اسے کہکشانی ماحول کی کوئی زمین افتادہ کراں سمجھ کر غنیمت جانا کہ شاید یہاں سے اپنے وطن کی کوئی یاد تازہ ہو سکے۔

دھم سے جب خانقاہ کے احاطے میں تھکا ہوا طاوس آن گرا تو درویشانِ خُدا مست صبحِ صادق کے وقت ذکرِ الٰہی میں مصروف تھے، سب دوڑ پڑے۔ کوئی کہتا دیکھنا یہ پرندہ زخمی معلوم ہوتا ہے کوئی کہتا اسے دہشت زدہ کیا گیا ہے اور یہ اپنے مسکن سے جُدا ہو کر یہاں آن گرا ہے۔ کوئی کہتا اس کی مرہم پٹی ابھی کر دو، کوئی کہتا اسے دانہ دنکا توڑال دو غریب پنچھی وحشی ہے، بے آسرا ہے، بے زبان ہے، اس کی دستگیری کرو اور جلد کرو۔

طاوس ان درویشوں کے جذبۂ رحم و کرم سے بہت متاثر ہوا۔ اس نے یوں جانا کہ اب میں برادری میں پہنچ گیا ہوں۔ میری اداس تنہائیوں کا صلہ مجھے ایک اچھی دردمند انجمن کی صورت میں مل گیا ہے۔ زمین کے سفلی ماحول میں، پہلے میں دھوکہ کھا چکا ہوں۔ لیکن یہ ماحول ایسی آلائشوں سے پاک ہے۔ یہاں مجھے کوئی گزند نہیں پہنچ سکے گا اور راحت و آرام سے زندگی کے دن کٹ جائیں گے۔ طاوس بہت زیادہ حیران تو اسی امر پر تھا کہ درویشوں میں سے کسی ایک نے بھی اس کے زنگا رنگ بالوں اور منقش و نگاریں پروں کی طرف کوئی توجہ نہیں دی۔ یہ بات اگلی صبح کو گلی کے بچوں نے اپنے متجسّسانہ شور کے درمیان منکشف کی تھی کہ یہ پرندہ حد درجہ خوبصورت بھی ہے۔ طاوس اب مطمئن تھا کہ یہ لوگ ظاہر کو چھوڑ کر باطن پر نگاہ رکھنے والے ہیں۔

چنانچہ طاوس نے کرانہ پہاڑی کو خیرباد کہہ کر، خانقاہِ معظمیہ کے حدود میں کھجور کے ایک اونچے تنے پر اپنا ٹھکانا بنایا۔ کئی کئی روز وہ یہاں سے اِدھر اُدھر چلا جاتا۔ پھر آجاتا

Marfat.com

اور اس کے خستہ و درماندہ دل کو درویشوں کی مجلس میں ایک گونہ تسکین بہم پہنچتی تھی۔

تھوڑے عرصے میں طاؤس کی طبیعت خانقاہی ماحول میں رچ بس گئی۔ اب وہ درویش برادری کا ایک معزز رکن بن چکا تھا۔ کوئی اُسے چوُری کھلاتا، کوئی بادام کے مغز، پستہ، مویز منقیٰ، کھوپرا اور مکھن، علاوہ دوسری اجناس کے۔ اس کے آگے بصد عقیدت و احترام رکھے جاتے تھے۔ طاؤس درویشوں سے اس حد تک مانوس ہو چکا تھا کہ وہ ان کی ہتھیلی سے چوگا کھا لینے میں کوئی باک نہیں رکھتا تھا۔

روایت بتاتی ہے کہ ـــــ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ، وہ طاؤس اب درویشوں میں سے اکثر کے انفرادی مزاج اور طبیعت کی خصوصیات کو سمجھنے لگا تھا۔ اُسی درویش اس وقت اپنے ذکر و فکر سے خانقاہ کی فضا کو معمور رکھتے تھے، اور بلا استثنا سب کے سب ہی طاؤس کو اپنا عزیز اور قرابت دار سمجھتے تھے۔ ان میں سے بعض تو جذباتی انداز سے اس کا انتظار کرتے تھے اور اچھے اچھے کھانے اور میوے اس کے لیے جمع رکھتے تھے۔ جب وہ جنگل کی سیر سے واپس خانقاہ آنے میں دیر لگاتا۔

❀

تیس برس کا ایک خوش وضع، خوش قطع اور باسلیقہ نوجوان ایک دن درویشوں کے ہجوم میں، نو وارد کی صورت میں بیٹھا دکھائی دیا۔ تقریباً سب کے سب درویش رحم آمیز نگاہ اور ہمدردانہ عزر و شفقت سے اس کی طرف متوجہ تھے۔

اجنبی جوان سے جب اس کی وجہ آمد دریافت کی گئی تو اس نے بتایا کہ میں ایک کڑی مہم پر روانہ ہونے کا عزم کر چکا ہوں۔ درویشوں کے حلقے میں اس لیے فی الحال باریاب ہوا ہوں کہ ان کی توجہ اور ہمتِ باطنی سے کریم کارساز میرے راستے کی رکاوٹیں دور فرمائے اور میرے پُرجوش اقدام کو ہر قسم کی ناکامی کے صدمے سے بچاتے ہوئے ـــــ کشادِ کار

Marfat.com

فتح یاب اور تسخیرِ منزل کا سبب بنائے۔ بے غرض اور پاک دل درویشوں کا کاسۂ دل جذبۂ رحم و کرم سے چھلک پڑا۔ سب نے صدقِ نیت سے اس کے حق میں دُعا کی۔ البتہ خانقاہ کے شیخ نے پوچھا کہ ـــــ "تمہارا ارادہ کدھر کا ہے"؟ جوان نے شیخ کی اتنی سی دلچسپی کو غنیمت جانا اور اس نے وادیِ ظلمات کا سارا افسانہ سنا ڈالا۔ تب شیخ نے اُسے رخصت کرتے ہوئے اُس کی خوب ہمت افزائی کی اور اسے بہت سی تسلّی دی کہ ـــــ محنت کبھی ضائع نہیں جاتی!

جوان ـــــ خانقاہ سے برآمد ہو رہا تھا کہ ایک درویش نے طاؤس سے کہا کہ "تم اس جوان کے سر کے اُوپر اُوپر اڑتے رہو، تم گویا خانقاہ کی طرف سے ہمارے نمائندے اور اس کے رہنما ہو گے۔" ایک ہلکی سی جست لے کر طاؤس اُس جوان کے سر کے اوپر ایک شاہانہ منقش چتر کی طرح اڑنے لگا۔ خوب ہی دلکش منظر تھا۔ درویشوں کے ماحول سے وہ باعزم جوان شاہانہ ٹھاٹھ کے ساتھ وادیِ ظلمات کی تسخیر کے لیے چل پڑا تھا۔ صدہا دُعاؤں، ہزارہا تلقینوں اور صد ہزارہا آمینوں کے ساتھ!

❀

طاؤس تنہا باش تھا۔ درویشوں کی محفل میں اُسے غم کا مُداوا نظر آیا تو وہ جزوِ خانقاہ بن گیا تھا۔ اب ایک اور تنہا باش نوجوان، جو اپنی جوانی کے پختہ ہونے کے ساتھ ساتھ فکر و نظر میں بلوغت اور اسلوب و شیوہ میں متانت رکھتا تھا ـــــ خانقاہ سے وابستگی اختیار کر چکا تھا۔ یہ عجیب و غریب قسم کا نوجوان، اپنے خیالوں میں اپنی غیر معمولی صلاحیتوں سے بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے عنقریب کوئی تاریخی کارنامہ انجام تک پہنچانے ہی والا تھا۔ وہ خود کو تنہائی کے لمحات میں مستقبل کی سنہری تاریخ کا معمار سمجھتا تھا۔ اکیلے میں جب وہ آئینہ دیکھتا تو اسے خود سے ایک پیار اور شیفتگی محسوس ہوتی ـــــ ایسا

Marfat.com

پیار جس میں عقیدت بھی ملی جلی ہو اور جو ہر عظیم انسان سے وابستہ رکھنا انصاف کہلاتا ہے۔ وہ اپنے میں ایسی بہت سی نشانیاں پاتا تھا جن کا مطلب مستقبل کی ایک مثالی عظمت کے علاوہ اور کچھ ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ اپنے نصب العین کا خالق، اپنے مستقبل کا مربّی اپنی تنہائیوں کا ہیرو، اپنی محبتوں اور عقیدتوں کا مرجع ——— یہی عجیب و غریب نوجوان، خانقاہ سے ایک جدید ارادہ، اٹل عزم، مضبوط قوتِ ارادی، استقلال اور اعتما کا گنجِ فراواں اپنے تصرف میں لے کر جب آگے بڑھا تو روحانی حسنات و برکات کی تائیدِ مزید بھی اس کی جلو میں شریکِ کارواں تھی۔ تنہا باش نوجوان اپنے سر پر، اپنی ہی قسم کا رکھنے والے طاؤس کا ظلِّ ہمایونی لیے اور آگے پیچھے، دائیں بائیں دعاؤں اور برکتوں کی ایک خاص نفری پر مشتمل لشکر کے ہمراہ ——— وادیِ ظلمات کے دامن تک بے دھڑک جا پہنچا کوئی تکلیف اور کوئی مزاحمت اس کے سفر کو ملتوی کرنے اور خود اسے بوکھلا دینے کا سبب نہ دامنِ کوہ میں ستانے کے لیے وہ تھوڑی دیر رکا۔ طاؤس کو اس نے اِدھر اُدھر چگنے چرنے کی اجازت دی۔ خیالات نے اس کے دل و دماغ کو ایک بے مقصد ہجوم کی صورت میں گھیر لیا ——— اپنی صلاحیتوں پر بے حد ناز اور بھروسہ کرنے کی وجہ سے اس نے سوچا کہ جس مہم کو سر کرنے کے لیے میں نکلا ہوں، اس کا مرکزی کردار اور ہیرو میں خود ہوں۔ حلِ مشکلات میری تدبیر سے اور دفعِ بلیّات میری شمشیر سے وابستہ ہے۔ خانقاہ میں میرا جا نکلنا محض اتفاقی اور روایتی تھا، جیسے ——— ماضی کے جوانانِ سحا وقتِ رخصت اپنے پیشواؤں سے استفاضہ کرتے تھے۔

تنہا باش جوان کی سوچوں میں، فتح کا مرحلہ اب بالکل قریب نظر آ رہا تھا۔ اور طاؤس کی معیت اس کے اندر رشک و حسد پیدا کر رہی تھی کہ ——— تسخیرِ وادی کا سارا کارنامہ وہ خود انجام دے رہا ہے، اور مبادا اس دور کے توہم پرست لوگ اس کی عظمتِ کر کو طاؤس کے بابرکت سائے کی کرامت سمجھنے لگیں، اور حتیٰ کہ آگے چل کر، تاریخ بھی بر

Marfat.com

کہنے پر مجبور ہو جائے کہ محض ایک پکھیرو کی بدولت فلاں شخص اتنا بڑا کارنامہ سرانجام دینے پر قادر ہو سکا تھا۔ اس جوان کو اپنے نام اور اپنی متوقع عظیم فتح کے ساتھ کسی دوسرے نام کی وابستگی قطعاً گوارا نہ تھی۔ وہ سمجھتا تھا کہ خود فتح و کامرانی کی اصل خوش بختی اسی میں ہے کہ اسے میرے نام کی نسبت سے دوام حاصل ہو۔

طاوس اِدھر اُدھر سے چگ چر کر منڈلاتا ہوا آ گیا۔ جوان کے خیالات بھی تصادم و آویزش کی کشاکش سے چھٹکارا پا چکے تھے۔ موجِ معانی میں ڈوبی ہوئی ایک گہری دوامی نظر سے دیکھتے ہوئے جوان نے کہا —— اے مبارک خانقاہ کے طائرِ فقیر اور اے اوجِ سعادت کے سفیر! بخت و فیروزی کے نشان، اے طاوسِ مہربان! میں ایک ایسے مقصد کے لیے نکل پڑا ہوں جو خود مبہم ہے اور جس کا انجام غیر لقینی ہے۔ اور تم ضبطِ نفس اور خود احتسابی کے پابند مقدس طائفہ کے ایک رکن ہو۔ لہذا، میں تمہارا قیمتی وقت اور بے پایاں خلوص اپنے بے مصرف دھندے میں اکارت کرنا مناسب خیال نہیں کرتا۔ یہاں تک کی معیت کو میں تمہاری خانقاہ کا ایک یادگار اخلاق قرار دیتے ہوئے اب تمہیں لطیبِ خاطر رخصت کرتا ہوں کہ —— خانقاہ میں جا کر میرے لیے نصرت و شادکامی کی دعا کرنا!

جوان نے طاوس کو خیرباد کہا اور خود اپنے سر کامیابیوں کا سہرا باندھنے آگے بڑھا۔ اب اس میں ایک فاتحانہ دلیری جھلک رہی تھی۔ بہت جلد وہ دنیا سے اپنی عظیم صلاحیتیں منوانا چاہتا تھا۔ تنہا باش نوجوان اب پھر ایک مرتبہ تنہا تھا اور وادیِ ظلمات کی ہولناکیاں درپیش تھیں۔

ایک اُونچا پہاڑ عبور کر کے، جب دوسری ڈھلوان سامنے آئی تو منزلِ مقصود —— وادیِ ظلمات —— کے آثار وہاں سے بخوبی دیکھے جا سکتے تھے۔ طاوس کو خود سے جدا کرنے کے بعد —— جوان اب پیکرِ عزم و عمل بن گیا تھا۔ اس کے بلند ارادے نے اس کی ہمت

Marfat.com

کو مہمیز کیا۔ ایک فاتحانہ شکوہ، ایک اندازِ دلبری اور ایک حکیمانہ افتخار و وقار کے ساتھ، وہ پہاڑ کی بلندیوں کو بتدریج روندنے لگا۔ کبھی وہ اپنے سائے کو دیکھتا تو چونک پڑتا کہ یہ مستقل جاسوس میرے ساتھ چپکا ہوا ہے۔ نہ جانے اس سے چھٹکارا کب اور کیسے ہو وہ اپنی فتوحات میں اپنے سائے کا دخیل ہونا بھی برداشت نہ کر سکتا تھا۔ اسے اپنی شخصیت پر بے حد اعتماد اور اپنے اعتماد پر بے اندازہ ناز تھا۔ اپنے حلقۂ تسخیر اور دائرۂ اقتدار کو پھیلانے کے لیے کسی کا منت پذیر ہونا، گویا پورے منصوبے کے انہدام اور مقصد سے دست بردار ہونے کے برابر سمجھتا تھا۔

سنگلاخ چڑھائی چڑھتا جا رہا تھا اور ساتھ ہی ساتھ وہ جوان اپنی ہمت و دلیری کو صد آفریں کہتا جا رہا تھا۔ گزری صدیوں کے بڑے بڑے نام آوروں کے کارناموں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہوئے، جب وہ اپنے آپ پر ایک تجزیاتی نگاہ دوڑاتا تو اسے اپنے اندر فوق العادہ صلاحیتوں کے بڑے بڑے تنومند جوہر دکھائی دیتے تھے۔ اس امر سے اس میں یقین کو اور تقویت ملتی۔ اب وہ اپنی مراد کو اپنی نگاہوں کے سامنے صرف ایک مہین سے پردے کے پیچھے اوجھل پاتا تھا۔ اس نقطے پر جب اس کی سوچ پہنچتی تو احساسِ کامرانی کی شادمانی اس کے لبوں پر تبسم کی صورت میں پھوٹ پڑتی۔ لیکن وہ تنہا جا رہا تھا اس لیے تبسم کو روکنے کی وہ کوشش کرتا کیونکہ اس کا تبسم خود کلامی کا پیدا کردہ تھا۔ جب کہ تبسم —— ایک معاشرتی سوغات ہے اور ہمکلامی کی بہترین پیداوار ہے۔

کوئی موذی درندہ، کوئی پرندہ، کوئی چرندہ، کوئی آیندہ و روندہ اس کو اس راستے میں کہیں بھی نہ ملا۔ دامنِ کوہ میں تنہا وہ یوں بلند ہو رہا تھا جیسے —— آئینہ میں نقش ابھرتا ہے، جیسے افق پر طلوع کا منظر جمتا ہے، جیسے دریا میں لہر اٹھتی ہے اور جیسے ذہن میں خیال پیدا ہو کر انگڑائیاں لینے لگتا ہے۔ جوان حیران تھا کہ مزاحمت کہیں پیش نہیں آئی۔ کوئی کھٹکا، کوئی دھڑکا، کوئی خدشہ، کوئی وسوسہ —— دل کے سکون کو تاخت

کرنے کے لیے آگے نہیں بڑھ رہا۔ دیوار کی طرح بلند و محکم کوہستان اس کو اپنے آہنی عزم کی تجسیم نظر آرہا تھا ——— جیسے وہ خوشی خوشی سر کرتا، آگے آگے منزلیں طے کرتا، جھومتا جھامتا، لہراتا، اٹھلاتا، بڑھتا ہی چلا جا رہا تھا کہ ——— ایک مقام آیا جہاں آمنے سامنے دو چوٹیاں ابھری ہوئی تھیں۔ وادیِ ظلمات پار والی چوٹی کی دوسری ڈھلوان کے زیریں حصے سے شروع ہو رہی تھی، اور جوان ادھر والی چوٹی کے قریب ٹھٹکا کھڑا تھا۔

خیالات کے بھنور میں اس کی توجہ اٹک گئی۔ پار والی چوٹی پر جانا ناگزیر ہے۔ دونوں چوٹیوں کا درمیانی فاصلہ چھلانگ لینے سے طے نہیں ہو سکتا۔ دونوں چوٹیوں کے درمیان بہت ہی گہرا خوفناک غار ہے۔ غار کیا بلکہ موت اپنا خونی جبڑا کھولے انتظار میں سسک رہی ہے۔ جاؤں، نہ جاؤں؟ آخر کیا کروں؟ ایک بار اسے خیال آتا کہ پار ضرور جانا چاہئے۔ پھر سوچتا کہ پار جانے کی صورت نظر نہیں آتی۔ پھر سوچتا کہ اگر پار نہ گیا تو اتنا راستہ جو طے کر آیا ہوں بے مقصد رائیگاں جائے گا۔

دیر بعد، ایک تدبیر اس کے ذہن میں آئی۔ اس کا چہرا گلاب کی طرح کھکھلا اٹھا۔ آنکھوں میں ایک عزم آمیز چمک نمودار ہوئی۔ رخسار پھول کر سرخ ہو گئے۔ اطمینان کا گہرا سانس لینے سے گردن کی رگیں جنبش کرتی دکھائی دیں۔ تدبیر کی پختگی اور کارآمد ہونے کا اسے یقین ہو گیا۔ اقدام سے پہلے اس میں جوش لہرایا۔ جذبے میں آکر وہ کپکپانے لگا۔ جبڑے کے مقام پر ملائم چمڑی غلاف اٹھنے بیٹھنے لگا۔ یعنی سستی تعمیل پر وہ خود کہنے لگا کہ اب دیر ہی کیا ہے؟ یہ آن کی آن میں، میں پار ہوں اور وادیِ ظلمات میرے قدموں میں ہے۔

قریب ہی ایک درخت کی جھکی ٹہنی کو اس نے پیار سے پکڑا۔ یہ ہے میری نجات دہندہ، یہ جادو کی چھڑی ہے، یہ ہے مجھے پار لے جانے والی شاخِ مراد! جھولا جھولنے کے انداز میں ایک موزوں جست اس نے لی، تاکہ پار چوٹی پر جا کر قدم جمائے۔ کومل سی ڈالی

Marfat.com

جو انسانی جسم کا وزن سہارے ہوئے تھی، جست کا جھٹکا لگنے سے تڑاق کر کے اپنے ٹھنے سے ٹوٹ گئی۔ آن کی آن میں عہد آفریں تصورات اپنی بدانجامی کو پہنچ چکے تھے۔ سنگریزوں پر جوا... کے بہتے ہوئے خون کے چھینٹوں، اس کی ٹوٹتی ہڈیوں کی صدا اور اس کے کٹے پھٹے اعضائے بدن کو دیکھنے والا وہاں کوئی نہ تھا۔ مستقبل کا عظیم فاتح اپنے سینے کے جوف میں، حسرتوں اور تمناؤں کا ایک پشتارہ لیے، اب تاریک کھڈے میں بے حس و حرکت پڑا تھا۔ طاؤس کے سائے کا بوجھ بھی جو اپنے سر پر برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ درخت کی ایک کٹی ٹہنی اس کی چھاتی پر تھی — جس کا سرا اس کی بند مٹھی میں ہنوز اس کے تشنہ عزائم کی نشاندہی کر رہا تھا۔

طاؤس کو جب جدا کر دیا گیا تھا تو وہ خانقاہ کی طرف لوٹنے کی بجائے راست باز درویشوں کی ہدایت کے مطابق آگے بڑھتا گیا۔ کرانہ پہاڑی سے خانقاہ میں ٹھکانہ بدل لینے کے بعد، اب پھر ایک بار وہ تنہا رہ گیا تھا۔ کہکشاں کے نورانی ماحول سے کٹ کر، زمین پر اترنے کے بعد بہت سی سفلی خصوصیات اس نے اپنے مزاج میں اپنا لی تھیں اور آئندہ بھی یہاں دن گز... کے لیے، وہ ہر قسم کے ادنیٰ انتظامات سے سمجھوتہ کرنے کے لیے تیار تھا۔ معلوم ہوتا تھا اب و... اپنی فطرت کے ملکوتی جوہر کو زمینی آلائشوں سے مکدر کر چکا تھا۔ تنہا باشی کی وجہ سے اداسی بعض... اس پر غلبہ پا لیتی تھی۔ ان لمحات میں وہ بجھا بجھا اور از خود بریدہ سا لگتا تھا۔ خانقاہ اسے اس... بھی راس آ گئی تھی کہ یہاں فرزگی کے لمحات درویشوں کے بے ریا و بے غرض حلقے میں کاٹے... وقت ماحول کی جانب سے گہری ہمدردی اور رفاقت و محبت کے آثار اسے سنبھالا دینے کے لیے کافی تھے۔

طاؤس غالباً اپنے اولین وطن کو اب بالکل ہی بھول چکا تھا۔ وطنِ ثانی یعنی خانقاہ کا آستانہ اس کو اس لیے بھی یاد تھا کہ وہ جس سفر پر اب نکلا ہوا تھا۔ اس کی تحریک اسے

Marfat.com

وہیں سے ملی تھی، اور سفر کی سرگزشت اہلِ خانقاہ کو سنانے کا وہ اخلاقی طور پر پابند تھا۔

پہاڑ کو عبور کرنے کی بجائے طاؤس پہاڑ کے دامن میں کئی روز تک اڑتا گیا۔ شام کو کسی تنے پر بیٹھ جاتا۔ صبحِ صادق سے فضا میں پروں کی سرسراہٹ پھر گونجنے لگتی۔ بدقسمتی سے یہ راستہ بہت ہی طویل تھا۔ پہاڑ غیر معمولی حد تک اونچا بھی نہ تھا۔ طاؤس کو اسے عبور کرنے میں کچھ دقت بھی نہ تھی۔ بس ایک جبر تھا، جس کا عنوان کچھ نہ تھا اور جس کا بے پناہ دباؤ کٹی پتنگ کی طرح اس پرندکو پہاڑ کی لمبائی کے رُخ اڑائے پھرتا تھا۔ ختم نہ ہونے والا سفر بالآخر ختم ہونے پر آیا۔ پہاڑ کا دنبالہ اب چھوٹی چھوٹی چٹانوں اور تودوں میں بٹ چکا تھا۔ طاؤس اب دوسرے رخ پر، واپس پہاڑ کے ساتھ ساتھ اڑنے لگا۔ اتفاقاً وادیِ ظلمات اسی طرف واقع تھی۔

کئی روز تک، اسی سمت پر طاؤس نے سفر جاری رکھا۔ تھک ہار کر، ایک روز ایک چٹان پر وہ اترا۔ یہاں ستانے کے دوران، اس نے طے کردہ مراحل و منازل کا دل ہی دل میں جائزہ لیا۔ اسے اپنی محنت پر تعجب ہوا کہ دورانِ سفر اس نے نہ کوئی خوبصورت مناظر دیکھے اور نہ ہی اسے کوئی ایسا ساتھی ملا جو اس کے جوش و جذبے کو جوان رکھ سکتا۔ پھر یہ بے لطف سفر اس نے کیوں کیا؟ محض درویشوں کی تلقین پر! کیونکہ خانقاہ میں رہتے رہتے وہ خود اب ایک درویش پرندہ تھا اور محض اطاعت و تسلیم ہی اس کا مسلک اور شیوہ تھا۔ اس خیال سے اسے سفر جاری رکھنے کی ترغیب دی۔

طاؤس کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی، جب وہ اس چٹان سے آگے بڑھا۔ ستر ہزار کالے کوّے، قدیم الایام سے پڑے ہوئے ایک عظیم اور فربہ جسیم مردار کو نوچ کھسوٹ رہے تھے۔ اس مردار میں ایک غیر معمولی خوبی یہ تھی کہ ـــــ صبح سے شام تک، کوّوں کے بکوٹتے رہنے سے جتنا کھایا جا چکا ہوتا، اگلی صبح تک، نقصان رسیدہ حصے بھر کر مُردار اپنی اصلی ضخامت و جسامت کو بحال کر لیتا تھا۔ لہٰذا، حریص کوّے نہ اسے چھوڑ کر کہیں اور

Marfat.com

جاتے، اور نہ ہی پیٹ میں ہر وقت بھرتی ٹھونستے رہنے کے علاوہ اُن کا کوئی اور نصب العین تھا۔

ٹھٹکے ہوئے طاؤس نے پھر غور سے دیکھا۔ اس کی حیرت پہلے سے بھی بڑھ گئی۔ ستر ہزار کالے کوّے! ستر ہزار کالی پرچھائیاں!

## ظلمات فوق ظلمات

ایک عظیم الجثہ مردار کو یہ سب چمٹے ہوئے ہیں۔ مردار ہے کہ ختم ہونے ہی میں نہیں آتا۔ کالے کالے کوّوں اور ان کی باہم اُلجھتی پرچھائیوں کا یہ منظر کتنا کریہ تھا، جیسے بحرِ ظلمات میں موجیں اٹھ رہی ہوں، جیسے فاسق و فاجر کے دل میں فاسد خیالات اُٹھ اُٹھ کر جمعیتِ خاطر کو پراگندہ کر رہے ہوں۔ جیسے کالے دیوؤں کی فوج بدمست ہو کر آپس ہی میں گتھم گتھا ہو۔

یہی وادیِ ظلمات تھی۔ شہرت کتنی تھی اور صورتِ حال کیا تھی! طاؤس دم بخود ہو کر ایک جگہ بیٹھ گیا۔ دیر تک وہ اس گھناؤنے منظر کو دیکھتا رہا، لیکن اس کی سمجھ میں کچھ نہ آتا تھا کہ کیا کیا جائے۔؟

"کیا یہ ساری محنت کالے کوّے دیکھنے کے لیے کی گئی تھی۔؟" —— ہرگز نہیں! اس کا داخلی یقین اسے اطمینان دلاتا۔

"پھر کس لیے"؟ شدید ردِعمل پیدا ہوتا۔ "کوئی حکمت اس میں ضرور ہوگی، جو ابھی تک منکشف نہیں ہوئی۔" اُسے اپنے اندر سے آواز آتی۔

"خانقاہ کے درویش دھوکہ دینے والے نہ تھے۔" اس کا ضمیر اس سے کہتا۔

"انہوں نے مجھے ہانکنا ہی تھا تو صاف صاف کہہ دیتے، جیسے بچھڑے ہوئے نوجوان نے میری رفاقت سے کنارہ کشی اختیار کی تھی۔ پھر ان درویشوں میں ہیں نے

Marfat.com

بہت ہی دلداری اور غمگساری دیکھی ہے۔ تم وجدان اسے مزید تسلی دیتا۔

یکایک طاوس نے ایک پتھر سے اپنا سر کھجلا کھجلا کر، اپنی کھوپڑی پر اُگے ہوئے خوبصورت بالوں کا گچھا، جسے ——— تاج کہتے ہیں، جڑ سے اکھاڑ ڈالا پھر، لمبی گردن کو پیٹھ کی طرف موڑ کر، اپنے مشہورِ زمانہ اور مایۂ ناز پر، جن پر قوسِ قزح نے اپنے رنگ چھڑکے تھے ——— ایک ایک کر کے نوچ ڈالے۔ طاوس نے یوں اپنا نگاریں پیراہنِ فاخرہ اُتار دیا۔ اب وہ بڑے کوؤں سے ملتا جلتا سا ایک قابلِ برداشت نمونہ بن گیا تھا خود کو بدوضع بنا لینے کے بعد، وہ دھیرے دھیرے کوؤں کی جانب چلنے لگا۔ دوچار قدم چلتا اور پھر ماحول کو غور سے دیکھ لیتا کہ کوّے اس کی اجنبیت سے کائیں کائیں تو نہیں کرتے؟ پھر، ادھر کو چل نکلتا اور چند قدم کے بعد رک جاتا۔ کوؤں نے ادھر قطعی کوئی توجہ ہی نہ دی۔ وہ اپنی مہم میں بری طرح جتے ہوئے تھے۔ ہر قسم کے مخاطر و مہالک کی طرف سے انہیں دلجمعی تھی۔ لہٰذا، اس نووارد کی آمد پر کسی کو حس تک نہ ہوئی۔ طاوس اب ان سیاہ پوشوں کی آخری ردیف میں یکے از دیگراں تھا، اور اس کے خلاف کسی کو کوئی احتجاج نہ تھا۔

کہکشاں کی شاخِ بلور سے اُڑ کر زمین پر آ رہنے والے حسین و جمیل طاوس کے لیے زندگی کا یہ بدترین منظر تھا۔ لیکن وہ اپنی فطرت کو پست سے پست تر کے ساتھ بھی مصالحت کرنے کے لیے ہر وقت تیار رہتا تھا۔ اب پستی کی انتہا ہو چکی تھی۔ تسلیم و رضا کا پیکر اور اطاعت شیوہ پرندہ ——— اپنے آپ کو حُسنِ خدا داد سے بھی محروم کر کے بدسگال کلاغوں کے مکروہ انبوہ میں سرک سرک کر شامل تو ہو گیا تھا، لیکن مردار کہ اس عالی منش اور بلند نسب کا کھاجا نہ تھا، چونچیں وہاں کیسے مارتا؟

کئی دن تک وہ اس طرح کرتا رہا کہ ——— صبح اس مردار کے قریب پہنچ جاتا۔ کوّے مردار سے چمٹ جاتے اور یہ غریب کوؤں کے آس پاس پھرتا رہتا، خود کو انہی کی برادری

یں سے ظاہر کرتا اور اپنی جعلی مصروفیات سے یہ تاثر دیتا کہ —— اسے ان کے ساتھ رہنے میں ایک گونہ طمانیت بھی ہے اور مسرت بھی!

کئی روز بعد، ایک بوڑھا کوّا، مردار کے ایک حصّہ جسم سے سرک کر دوسرے حصّے تک پہنچنے کے درمیانی وقفے میں، اس سے پہلی بار ہمکلام ہوا۔ کھوسٹ کوّے نے کہا "تم کچھ بیمار بیمار سے لگتے ہو۔ معلوم ہوتا ہے تم نے ضرورت سے بہت زیادہ کھالیا ہے، مناسب ہے کہ تم وہاں اس دراڑ میں جاکر آرام کرو، ہم نے تمہارے ہی جیسے ایک علیل کوّے کو پہلے سے وہاں آرام کی خاطر گویا نظر بند کر رکھا ہے۔"

طاؤس نے کہا "بسروچشم!" مقام اشارہ کی طرف وہ بخوشی چلا گیا کہ چلو ان منحوسوں سے سے تو جان چھوٹے، وہاں اس دراڑ میں کچھ ملے یا نہ ملے!

دراڑ کے دہانے پر، ایک منڈلاتے سائے کو دیکھ کر، اندر سے ایک دُبلا پتلا لیکن نہایت ہی نفیس و نازک اور جمیل و نازنین پرندہ برآمد ہوا، جسے دیکھ کر طاؤس کو اپنے رائیگاں سفر کی زحمت کشی کے گویا اندوہ سے زیادہ مسرت اور جفا اندوزی سے زیادہ فیروزی دارجمندی مل گئی تھی۔ اسے اب درویشوں کے پُرخلوص ہونے اور خلوص کے پیچھے بصیرت کے کارفرما ہونے میں کوئی شبہ نہ رہا۔

"بھائی! تم کیسے یہاں آنکلے؟" قیدی پرندے نے پوچھا۔

"مجھے بیمار سمجھ کر یہاں بھیجا گیا ہے، تاکہ آپ کے ساتھ مل کر آرام کروں۔" نووارد نے کہا بہت ہنسا قیدی پرندہ اور کہنے لگا "شاید تم نے بھی مردار خوری سے پرہیز کی ہوگی! یہاں صحت مند رہنے کا ایک ہی راز ہے —— مردار خوری! اچھا بھائی! آجاؤ تم بھی! خوب گزرے گی جو مل بیٹھیں گے دیوانے دو۔"

Marfat.com

طاؤس خانقاہی آداب بخوبی جان چکا تھا۔ مریضوں کو بند رکھنے والی دراڑ میں داخل ہوتے وقت، وہ وہی آداب بجا لایا جو ایک خدا رسیدہ انسان اپنے سے کسی بزرگ تر کے حضور بصد عجز و نیاز بجا لاتا ہے۔ طاؤس کے آداب دیکھ کر قیدی پرندہ بہت ہی خوش ہوا اور بہت جلد دونوں آپس میں، توقع سے زیادہ مانوس ہو گئے، نہ صرف ہم خیال اور ہم کلام بلکہ ہمدل و ہمزبان اور ہم جسم و ہم جان بن گئے۔

طاؤس کی فطرت سلیمہ نے قیدی پرندے کو کریدنا مناسب نہ سمجھا۔ قیدی پرندہ عالی ہمت، وسیع القلب، بلند مشرب اور فیاض طبیعت کا مالک تھا۔ دوسروں کے لیے دردوگداز اور رحمدلی اس کے مزاج میں اس طرح رچی بسی تھی، جیسے کہ رعایا کے حق میں بادشاہوں کے مزاج کے لیے ضروری خیال کی جاتی ہے۔ ایک سال گذر گیا، لیکن طاؤس نے قیدی پرندے سے نام تک نہ پوچھا۔ قیدی پرندہ جتنا مناسب خیال کرتا تھا اپنے اوضاع و احوال سے اسے آگاہی دیتا تھا۔ تعارف و تجسس اور کچھ مزید براں معلوم کرنا۔ طاؤس کی فطرت سے بہت بعید تھا۔

سال بھر میں، طاؤس کے منقش پروبال پھر پھوٹ نکلے۔ تب قیدی پرندے نے کہا۔
تم تو طاؤس ہو!

طاؤس نے کہا "جی ہاں! ہوں تو طاؤس اور کہکشاں کی ڈالی پر بیٹھنے والا، لیکن اب، مقدر سے، یہاں آن پڑا ہوں۔"

"تو، سنو! میں ہُما ہوں! ـــــــــ ہُما!"

"اچھا! تبھی تو میں حیران تھا کہ مٹھی بھر پرندہ اتنا بڑا اخلاق کیسے نبھا سکتا ہے، جو صرف بادشاہوں کی ذات سے مخصوص ہے؟ اب مجھے سمجھ آئی کہ آپ بادشاہ گر ہیں۔"

ہُما نے گردن جھکائی۔ اس کا یہ انداز ایک شاہانہ اعتراف تھا اس چیز کا کہ وہ طاؤس کی معلومات اور اس کے آئین و آدابِ ہمنشینی و خدمت گزاری سے خوش بھی

Marfat.com

ہے اور متاثر بھی ——— جس کا لازمی نتیجہ شاہانہ انعام و اکرام کی صورت میں سامنے آتا ہے۔ اس تعارف کے بعد، دونوں میں خوشی کی نئی لہر دوڑ گئی، اور اب ان کی زندگی ہر غم و فکر سے مکمل طور پر آزاد تھی۔ ایک بادشاہ گر تھا اور دوسرا اس کا ندیم خاص۔

طاؤس نے ہما کا ماضی کرید نے کے بجائے، بات ایک اور طریقے سے کی کہ اس وادی میں کتنا عرصہ اور رہنے کا خیال ہے؟"

ہُما نے جواب دیا اس سے پہلے بھی میں خوشی سے، اس مکروہ ماحول میں نہیں رہا۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ایک دنیا میری تلاش میں سرگرداں ہے، یہ کھٹکا بالآخر میں پکڑا جاؤں گا، کلاک کے پنڈولم کی طرح ہر وقت میرے حواس کو ٹک ٹک چوکنا رکھتا ہے، مجھے اور کچھ سوچنے کی فکر ہے نہ جینے کی لذت! لہذا میں نے خود کو دانستہ ایک ایسے ماحول میں ڈال دیا ہے جہاں پر میرے ہونے کا کبھی کسی کو گمان بھی نہیں ہو سکتا! یہ ماحول جتنا ناخواندہ ہے اتنا ہی خطروں اور خدشوں سے آزاد بھی ہے۔ اب اے طاؤسِ مہربان! جس طرح تم کہو گے ویسا ہی ہو گا، جان ایک دن تو جانی ہی ہے۔ اگر دوستوں کی دلجوئی اور حصولِ رضا میں کھپ جائے تو اس سے بڑھ کر جان کی قیمت ہو ہی کیا سکتی ہے"؟

ہُما کی نظر میں اپنا غیر معمولی احترام دیکھکر، طاؤس پر ایک کیفیت بیت گئی۔ ادب و تسلیم میں اُس نے سر جھکایا اور دیر تک اپر نہ اٹھایا اور برابر جھومتا ہی رہا۔ دیر بعد، طاؤس نے کہا، " دوست! لیکن پھر بھی آپ جیسے عالی گوہر اور ارجمند نژاد کے لیے یہ ماحول تو بہت ہی اَن مل بے جوڑ سا ہے۔"

" ہُما نے کہا ——— " اے مرقعِ جمال، اے طاؤسِ کمال! فطرت جہاں کوئی انوکھی خصوصیت پیدا کرتی ہے وہیں اس کے تحفظ کا شعور بھی پاسبانی پہ مامور کر دیتی ہے۔ پھول اگر گلدانوں میں اور شہد مرتبانوں میں اگتے تو کبھی بھی مرتبہ بلوغت کو نہ پہنچتے اور حدِ تکمیل سے پہلے ہی تلف ہو جاتے۔ لہذا، خار دار جھاڑیوں کا ماحول فطرت نے ان کی پرورش گاہ

Marfat.com

قرار دیا۔ قدرت نے مجھ میں جو بادشاہ گری کی خوبی پنہاں رکھی ہے، یہی خوبی میری گرفتاری کے لیے دام و کمیں کی تیاری پر ہر کسی کو اکساتی ہے۔ چنانچہ، میں اگر اپنے شایانِ شان ماحول اختیار کرتا تو تمہارا کیا خیال ہے کہ اتنے دنوں زندہ رہ سکتا؟ لیکن، اب میں تمہارا ساتھ دوں گا۔ لے چلو مجھے یہاں سے جہاں تمہارا جی چاہے! مجھے تمہاری ہر ہر ادا بھا گئی ہے۔ میں تمہیں اپنے قریب رکھنا چاہتا ہوں، اور اس قرب کی خاطر بھاری سے بھاری قیمت ادا کرنے کو تیار ہوں اٹھو ——— مجھے لے چلو!"

ہُما کی نظر میں طاؤس اپنا اتنا بلند مقام دیکھ کر پھر جھوم جھوم گیا۔ تھوڑی دیر تک وہ ایک سرور کی لہر میں، از خود رفتہ سا رہا۔ ہُما متوجہ تھا کہ طاؤس کیا جواب دیتا ہے۔ طاؤس کو اپنی مستانہ کیفیت سے واپس لانے کے لیے، ہُما کو اپنی بات پھر دُہرانا پڑی۔ تب طاؤس چونک پڑا۔ اس نے اپنی آنکھیں کھولیں اور بہت دھیمے لہجے میں کہا "مناسب انتظام، بروقت ہو جائے گا۔"

ہُما اب اپنے نئے مستقبل کو سوچا کرتا تھا کہ "دیکھیں طاؤس کہاں لے چلتا ہے؟ اس وادی میں ایک اسیر کی حیثیت سے رہتے رہتے میری فطرت نے کس قدر پستی اختیار کرلی ہے۔ آزادیِ فکر اور رفعت خیال اور جراتِ اندیشہ اب شاید وہ پہلی سی چکا چوند نہ باندھ سکے جو آزادی کے دنوں میں میرے گوشۂ ضمیر سے فوارۂ نور کی طرح پھوٹا کرتی تھی۔ ممکن ہے یہ مردار خور میرے یوں چلے جانے میں مزاحمت کھڑی کریں، ممکن ہے میری وجہ سے طاؤس پر بھی کوئی افتاد آن پڑے۔" اس قسم کے خیالات ہُما اکثر سوچا کرتا تھا۔

ایک دن ہُما نے طاؤس کو دیکھا تو حیرت زدہ ہو گیا اور پھر بیقراری سے پکار اُٹھا "اوہ! یہ تم وہی طاؤس ہو، میرے حبیب، میرے ندیم، میرے انیس، میرے جلیس! یہ تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ تمہارے نگاریں پر و بال کہاں گئے؟ تم تو ایک مرقعِ زیب و زینت

تھے، یہ کالی مٹی کا لیپ تمہارے پروں پر کیسا ہے۔؟"

"کچھ نہیں،، طاؤس نے کہا "قریب والی جھیل پر پانی پینے کے لیے جھکا تو پاؤں پھسلنے سے جھیل میں گر گیا تھا، مشکل جان بچی"! "کیچڑ میں البتہ لت پت وہاں سے بھاگ آیا ہوں، لمبے لمبے خوبصورت پر بھی ٹوٹ گئے ہیں۔ آپ اس طرح کریں کہ میری پیٹھ پر ذرا کی ذرا بیٹھیں! مجھے پیٹھ پر کھجلی سی محسوس ہو رہی ہے۔"

ہُما ترت پیٹھ پر بیٹھ گیا۔ اس کے بیٹھنے کی تاثیر سے طاؤس بادشاہ ناز و مستی بن گیا۔ ستر ہزار کوّے پورے خلوص و انہماک سے مُردار کو نوچ رہے تھے۔ ستر ہزار پرچھائیاں ساتھ ہی ساتھ کوّوں کی حریفانہ لپک جھپٹ کی بھونڈی نقالی کر رہی تھیں کہ ـــــ یکا یک طاؤس خفیف سی جست لے کر اڑنے لگا۔ اُڑتے اُڑتے وادی ظلمات کی حدود سے آگے بڑھ گیا۔ تب ہُما نے پوچھا کہ: "ارادہ کہاں کا ہے"؟

طاؤس نے کہا، "من الظلمات الی النور،" "آپ کو زاغوں کلاغوں کے نرغے سے نکالنا مقصود تھا، اسی لیے میں نے اپنے منقش پر نوچ ڈالے اور خود کو کیچڑ میں گِل حکمت کر لیا کہ کوّوں کی جنس ہی سے ظاہر ہوں اور کوئی مجھ پر شک نہ کرے۔ آپ کو اپنے اوپر اٹھانے کا مقصد یہ تھا کہ میں اپنے گل آلودہ پر جب پھیلاؤں گا تو پیٹھ پر بیٹھے آپ ان کوتاہ بینوں کو نظر نہیں آ سکیں گے اور یوں، یہاں سے فرار سہل ہو سکے گا۔"

ہُما نے کہا: "صد آفرین تم پر اے طاؤسِ دانشمند! تمہارے خلوص اور تمہاری روشن تدبیر سے میری ایک دیرینہ خواہش بھی خود بخود پوری ہو گئی۔" "وہ کیا؟" طاؤس نے پوچھا۔

"وہ یہ کہ میں چاہتا تھا کہ تم میرے رفیقِ شفیق اور مخلص ندیم ہو۔ لہٰذا تم پر اپنا سایہ ڈالوں اور تم بھی بادشاہ بن جاؤ اور پھر تمہارے ذہن سے داغِ عجز و غلامی ہمیشہ کے لیے مٹ جائے۔ تم نے میری بہت خدمت کی ہے۔"

Marfat.com

طاووس نے کہا: "خیر! یہ آپ کی عنایت ہے، ورنہ میرے نزدیک تو آپ کی غلامی اور معیت پرشہنشاہی سے کہیں گراں تر ہے، اور میں تاج و تخت کے لیے آپ کی معیت چھوڑنے کو بھول کر بھی گوارا نہیں کر سکتا۔"

ایک چودھویں اپنے آخری سانس لے رہی تھی کہ ــــــ خانقاہِ معظمہ میں ایک جھکے ٹہنے پر دو پرندے مثالِ جسم و جاں نظر آئے۔ درویش ذکر و فکر سے فارغ ہو کر حجروں سے صحن میں آئے تو انہوں نے پہچان لیا کہ ــــــ ایک تو وہی طاووس ہے اور دوسرا غالبًا اُس کا کوئی نیا ساتھی، جسے وہ اپنا ہمنیال بنا کر خانقاہی ماحول میں لے آیا ہے۔

ایک چھوٹا بچہ، جب درویش چلے گئے تو دیر تک حسرت اور عجز کے ملے جلے جذبات سے دونوں پرندوں کو دیکھتا رہا۔ خانقاہ میں عمر کے لحاظ سے یہ سب سے چھوٹا اور مرتبے کے اعتبار سے سب سے ادنیٰ تھا۔ طاووس نے بچے کو اپنے قریب بلایا۔ بچہ بے دھڑک چلا آیا۔ طاووس نے کہا "اے عزیز! تم آگے کسی کو نہ بتانا، میں تمہارے لیے ایک نادر الوجود اور فقید المثال تحفہ لایا ہوں۔" بچہ بھی متوجہ تھا اور ہما بھی۔

طاووس نے پھر کہا: "بتاؤ گے تو نہیں"؟

"ہرگز نہیں بتاؤں گا" بچے نے کہا لیکن تحفہ دکھاؤ تو سہی! میرے اشتیاق کو تم زیادہ سے زیادہ بھڑکا رہے ہو۔"

طاووس نے کہا: "ابھی تھوڑی دیر میں سورج نکلنے والا ہے۔ میرے ساتھ یہ دوسرا پرندہ ہما ہے۔ اس کا سایہ میں تمہارے سر پر ڈالوں گا اور تم بادشاہ بن جاؤ گے۔" لیکن یہ بات آگے کسی کو نہ بتانا ــــــ یہ تمہارے تک راز رہے۔"

Marfat.com

بچے نے بے ساختہ کہا: "خواجہ معظم دین کے گنبد کا سایہ میں اپنے سر سے ٹال کر، کیا اس پکھیرو کا سایہ گوارا کرلوں؟ یہ تم کیا کر رہے ہو؟ اور پھر تم اسے تحفے کا نام دے رہے ہو؟"

اے کہ اندرین وادی مژدہ از ہُما وادی
بر سرم ز آزادی سایہ را گرا ینہاست

ہُما نے طاؤس کی طرف حیرت و استعجاب سے دیکھا اور طاؤس ہُما کی طرف معذرت خواہانہ انداز میں تکتے کا تکتا رہ گیا۔ دونوں پرندے ایک دوسرے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھتے ہی رہے۔ پھر نہ جانے انہیں کیا سوجھی کہ دونوں بیک وقت شاخ کی بلندی سے نیچے زمین پر اُتر آئے اور پرواز ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ترک کر کے، درویشوں کے قدموں میں پھرتے پھرتے دونوں دوستوں نے اپنی باقی ماندہ زندگی وہیں گزار دی۔

تا ز میخانہ و مے نام و نشان خواہد بود — سر ما خاکِ رہ پیر مغان خواہد بود
حلقۂ پیر مغانم ز ازل در گوش است — ما ہُمانیم کہ بودیم و ہمان خواہد بود

---

# خدا پادشاہ و محمدؐ وزیر

Marfat.com

عزیزترین وزیر زادہ :

# جہانداد

کی دل چسپی کے لیے ، یہ چند کہانیاں لکھی گئی ہیں ۔ وزیر کے شہر سے ــــــ
جو کچھ میں نے حاصل کیا ، وزیر زادہ صاحب کی تربیت پر لگا رہا ہوں :

زشہرِ دوست می آیم پیامِ عشق بر لبہا
بہ تلقینے کنم آزاد طفلان را ز مکتبہا

اس توقع پر کہ شاید عزیز جہانداد کے ہم درسوں میں سے کوئی نونہال مستقبل میں میرے مسلک کو زندہ رکھ سکے ۔

میرا مسلک ؟ مسلکِ دار و رسن !

میرا مذہب ؟ مذہبِ عشّاق ہے !

غلام نظام الدّین

Marfat.com

# اِفتتاحِ دوکان

وزیر نے دوکان کھول لی - میرے البیلے دوست اور شہزادوں جیسے آزادہ رُو محبوب کو حرص کی سُنہری زنجیر پہنا دی گئی - لڈو تقسیم ہو گئے - اِتفاقاً، ایک بار وزیر سے سرِراہ ملاقات ہوئی - میں اُسے تکتے کا تکتا رہ گیا - میری حیرت بھانپ کر بولا: "میری نئی مصروفیت سے پریشان نہ ہو - میں تمہارے ہاں پھر بھی کبھی نہ کبھی آتا رہوں گا - ویسے تم جانتے ہو نا کہ محبّت کا تعلق دل سے ہوتا ہے نہ کہ کہیں آنے جانے سے"

میں نے کہا: "بہت خوب! لیکن، پھر تجارت کا تعلّق دوکان کے تختے ہی سے کیوں ہے؟"

تب میں نے یہ قطعہ لکھ کر وزیر کو بھیجا:

حیف ہے تجھ سا نازنیں گوہر ۔۔۔ باوجودِ مُرفہ الحالی
فرشِ دُکّاں پہ دِل کو خون کرے ۔۔۔ تاکہ جیبیں ہوں نت کئی خالی

---

# دوکانداری

وزیر نے جب سے دوکان کھول لی تھی ـــــ اس سڑک پر، میں نے آنا جانا قطعاً موقوف کر لیا تھا - ایک بزرگ کے ساتھ میں ٹانگے پر جا رہا تھا - بزرگوار نے ٹانگے والے کو اُدھر ہی سے جانے کا کہا - میں نے اپنے پہ ضبط کیا - لیکن، جب ٹانگہ دوکان کے آگے سے گزرتے ہوئے بڑھا تو

Marfat.com

بے اختیار میری نگاہ اُدھر اُٹھ گئی۔

وزیر ایک نہایت کالے بھُجنگ گاہک کو، ایک بھری ہُوئی بوری اُٹھوا رہا تھا۔ ایک صَبیح و ملیح، دوسرا کریہ و قبیح! دونوں متضاد چہروں کے درمیان فاصلہ ——— روپے، روپے کے دو نوٹوں کی موٹائی سے کم تر نظر آرہا تھا۔ جب کہ بمشکل یہی دو رُوپے، اس بھری بوری میں سے منافع نکلنا تھا۔ رشک و اضطراب نے مجھ سے اگلے روز یہ شعر اگلوایا:

کل اِمتیاز کتنا مری بیکسی کا تھا
تنہا مَیں اِس طرف، وہ اُدھر ہر کسی کا تھا

---

# مُلاقات کی رات

وزیر نے میرا وظیفہ مقرر کر دیا۔ جاڑے کی ہر چودھویں رات مَیں وزیر کے پاس گزارتا تھا۔ پہلی مرتبہ وزیر نے خلوص دکھایا۔ پھر اُس نے ڈھنگ بدلا۔ اب رنگ یہ نکلا کہ مَیں اُس کی خوابگاہ میں ہوتا اور وہ نصف شب تک دوکان کے بقایوں اور مکان کے کرایوں کی اگراہی میں رہتا۔ آدھی رات گئے پلٹتا۔ بیٹھک میں مجھے یہ بتا کر کہ: ابھی آیا! اندر چلا جاتا۔ دیر بعد آتا پھر کہتا: شاید مجھے زیادہ دیر تو نہیں ہوئی؟ میں خوشامد سے کہتا: نہیں، اِتنی تو نہیں ہوئی!

اِسی دَوران دروازے پر بے ہنگام دستک ہوتی: "وزیر! دوکان پر چلو، اس وقت مزدور نہیں ملتا، دو ٹرک مال آیا ہے، اترواؤ!"

Marfat.com

وزیر مجھ سے یہ کہہ کر کہ: "بس ذرا کی ذرا میں، دکان پر سے ہو کر میں چلا آتا ہوں"۔ اپنے بھائی سے گلی میں جا ملتا۔

صبح کی اذان کے بعد، بیٹھک کو تنہا سپردِ خدا چھوڑ کر بے آہٹ، کواڑ موند کر، میں ______ فی الحال مایوس اور آیندہ چودھویں کے لیے پُر امید، وہاں سے لوٹ آتا۔

نازم فریبِ صلح، کہ غالب زکوئ دوست
ناکام رفت و خاطرِ امیدوار برد

ایک بار، دو بار میں نے یُونہی رین گنوائی، اور پھر لگاتار یہی سلوک رہا۔ تب میں نے کہا:

دو دِن کا تو جیون ہے یہ، کیا کیا کرتا ہے سامان
جَیسے تَیسے کٹ جائے گی، کیا مشکل اور کیا آسان
جب بھی ہم اِک سیج پہ سوتے، گاہک آتا میرے ہوتے
رہ جاتا میں روتے روتے، مایہ پیچھے پھُر دھنوان

---

# بھلوال کی تیّاری

طریقت کے پیشوا حضرت صُوفی مخمور سدیدی، اُس وقت میرے والد صاحب کے بائیں پاؤں کو دبا رہے تھے اور خطّاط حافظ محمد یوسف سدیدی دائیں کو، جب میں نے حاضر ہو کر نیاز عرض کیا۔ صوفی صاحب اور حافظ صاحب کو میں اپنے ساتھ بھلوال لے جانا چاہتا تھا، وزیر کے مکان پر۔

Marfat.com

والد صاحب قبلہ سے، میں نے بصد آداب دونوں حضرات کی اجازت چاہی۔ عین اُسی لمحہ وزیر بھی محفل میں آن نمودار ہُوا۔ والد صاحب نے صُوفی صاحب کی طرف دیکھ کر فرمایا:

دُور اے زُہد! کہ وہ زہد شکن آپہنچا

پھر حافظ صاحب کی طرف متوجّہ ہو کر فرمایا:

رُخصت ایماں! کہ وہ غارت گرِ ایماں آیا

وجد و سُرور سے اہلِ محفل جھوم رہے تھے کہ ہم وزیر کے ساتھ معظم آباد سے بھلوال کے لیے چل پڑے۔

---

# خوش خطی

۱۹۵۶ء کے موسمِ خزاں کی ایک سہ پہر تھی۔ نستعلیق کے استاد جناب صُوفی مخمور سدیدی لاہور سے سرگودھا تشریف فرما تھے۔ اُن کی خاص نشست میں، کاغذ قلم آگے بڑھاتے ہُوئے، میں نے اِلتماس کی کہ: "اتنا خوبصورت آپ کیسے لکھ لیتے ہیں؟"

جناب نے درس کی صُورت میں، مجھے ایک تحریری مشق دی، قلم ہاتھ میں لیتے ہُوئے۔ صُوفی صاحب نے کاغذ پر سب سے پہلے ایک نقطہ رقم فرمایا، پھر نقطے کے سرے کو اُوپر سے بھر دیا اور فرمایا: "یہ واو کا سرا بن گیا۔"

میں حیران تھا کہ الف بے کو چھوڑ کر، جناب واؤ کو پہلے کیوں کر

لکھ رہے ہیں، میں محدود النظر تھا اور حضرت عارف تھے۔ میں نہیں جانتا تھا:

کہ نورِ دیدۂ عارف زقاف تاقاف است

۱۹۵۶ء کی خزاں کا معمّا، ۱۹۷۰ء کی بہار میں کھلا کہ ـــــــ واؤ سے، وزیر بنتا ہے۔ لیکن اس وقت مجھے کیا معلوم کہ صوفی صاحب حال میں مستقبل کے بیج بو رہے ہیں۔

میں نے جب لکھنا سیکھا تھا     پہلے تیرا نام لکھا تھا

---

# شق القلب

غریب نواز خواجہ معین الدین چشتی ـــــــ بغداد کی ایک گمنام مسجد میں داخل ہو رہے تھے۔ جبکہ نوعمر خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اسی مسجد سے برآمد ہو رہے تھے۔ دونوں آپس میں جب دوچار ہوئے تو خواجہ معین الدین نے پوچھا: "چلوگے میاں؟"

خواجہ قطب ـــــــ نہ تیاری، نہ صلاح مشورہ، اسی لمحہ، وہیں سے ساتھ ہو لیے۔ پھر مدینہ منورہ سے ہوتے ہوئے ہند اور حتیٰ کہ آخرت تک یہ ساتھ خوب نبھا۔

ایک بڑی نہر کے کنارے پر، وزیر مجھ سے یہ کہانی سن کر خاموش رہا۔ وقفے کے بعد، میں نے پوچھا: "چلوگے میاں؟"

کہنے لگا: "ہاں"

میں نے پوچھا: "کہاں؟"

Marfat.com

وزیر نے ہاتھ اٹھاکر اشارہ کیا: "تم اُدھر" (اشارہ جانبِ معظم آباد) اور "ہم اِدھر"! (اشارہ جانبِ بھلوال)

شق القمر کا معجزہ سنا ہُوا تھا۔ شق القلب کا اعجاز دیکھ لیا۔

---

# عِیدگاہ

خواجہ معظم دین کی خانقاہ، گزشتہ ڈیڑھ صدی سے، بلا معاوضہ اور بے طمع دینی خدمت انجام دے رہی ہے۔ اِس وجہ سے دُور دُور سے لوگ، جمعہ اور عید، یہاں آکر پڑھنے میں سعادت اور برکت خیال کرتے ہیں۔

ایک دفعہ، عیدالفطر کے بعد، لوگ خانقاہ سے گھروں کو جا رہے تھے کہ میں وزیر کو دیکھنے بھلوال کے لیے روانہ ہُوا۔ ایک محرمِ راز نے پُوچھا "عید کے بعد کہاں جا رہے ہو؟"

میں نے کہا: "عید گاہ کی طرف!"

عید گاہِ ما غریبان کوی تو
انبساطِ عید دیدن رُوی تو

---

# ایمان بالغیب

جاڑے کی ایک سرد ترین چودھویں رات تھی اور میں بے خور و خواب۔

Marfat.com

وزیر کے بدن کا حدیقۂ حُسن اور چہرے کا صحیفۂ جمال پیشِ نظر اور مشاہدہ کے لیے، میرے ہر بُنِ مُو کی تہ میں ایک دیدۂ شوق باز تھا۔ جتنا میں دیکھتا جاتا تھا، اتنی ہی تشنگی بڑھتی جاتی تھی۔ شام سے لے کر، عیدِ نظّارہ میں ہنوز مستغرق ہی تھا کہ طلوع نے مجھے بصد حسرت و افسوس وہاں سے رخصت ہونے پر مجبور کر دیا۔

بھلوال سے معظم آباد واپس آ رہا تھا کہ دورانِ سفر —— وزیر کے جمالِ فوق المثال اور اپنے کمالِ اشتیاق کی کیفیت نے مجھے شدید طور پر تڑپا دیا۔ وزیر اب میرے سامنے نہ تھا۔ لہٰذا، حقیقت سے محرومی کے عالم میں ناچار پرچھائیوں کی وادی یعنی شاعری کی طرف میں رجوع ہُوا تاکہ ذہنی سرور و لذّت کے گنجینۂ نشاط کا طلسم میرے ہاتھ آ جائے۔ فارسی اور اردو غزل کا سارا سرمایہ چھان ڈالا۔ شیخ سعدی کے اس شعر نے تسکینِ خاطر بہم پہنچائی۔

نہ وصفش غایتے دارد، نہ سعدی راسخن پایان
بمیرد تشنہ مستسقی و دریا ہمچنان باقی

لاہور میں پیشوائے طریقت صوفی مخمور سدیدی کی خدمت میں، واقعہ اور شعر میں نے عرض کیا۔ ایک تغیرِ عظیم جناب کی ذات میں نمودار ہُوا اور پھر جو ولولہ و خروش اور شوریدگی و وارفتگی جناب صوفی صاحب سے سرزد ہوئی، یاد رہے گی۔

میں حیران تھا کہ: عین مشاہدہ میں، مَیں اتنا مچل نہ سکا جتنا کہ حضرت نادیدہ تڑپا کیے۔ ایمان بالغیب کی فضیلت کو مَیں نے اِس واقعہ سے خوب خوب سمجھ لیا۔

Marfat.com

# بدعتِ حسنہ

عاشقی اگرچہ سراسر فدا کاری اور سرفروشی کا نام ہے، تاہم اس کا ایک معاشرتی پہلو بھی ہے، جو رسمیات سے وابستہ ہے مثلاً ـــــ اظہارِ محبت، اندیشۂ رقیب، نامہ و پیغام، امیدِ وصال، شبِ نشاط، طوافِ درِ حبیب، ملامت و رسوائی، مردم بیزاری، تنہا باشی، خدماتِ قاصد، منتِ درباں، کوچہ گردی، بیاباں نوردی، چاک گریباں وغیرہ - ان ہی رسمیات میں، مَیں نے بعض نئی تبدیلیاں روشناس کرائی ہیں۔

۱) شبِ عید ـــــ میں اپنے بائیں ہاتھ سے دائیں ہتھیلی پر شوخ رنگ مہندی سے وزیر لکھا کرتا ہوں۔ کوئی کام بھی کروں خیال آتا ہے وزیر کی قوتِ بازو اسے انجام دے رہی ہے۔ نیز یہ عقیدہ رکھتا ہوں کہ رزق خدا دے رہا ہے لیکن کھا رہا ہوں وزیر کے ہاتھ سے۔ عید رات کو میں شب نگار بندی کہا کرتا ہوں اور محبوب کا نام لکھنے کی اس بدعت کو نگار بندی کہتا ہوں۔

۲) عید ـــــ پڑھ کر، فوراً ہی میں وزیر کی زیارت کو بھلوال جاتا ہوں۔ اور کہا کرتا ہوں کہ لوگ عید پڑھنے عید گاہ آتے ہیں جبکہ میں عید پڑھ کر عید گاہ کو جاتا ہوں۔

وزیر کا معمول یہ ہے کہ عید کے دن کسی سے گلے نہیں ملتا۔ عید کے بعد سب سے پہلے مجھے گلے ملتا ہے۔ عید کے بعد والی رات میں وزیر کے ہاں ٹھہر کر تیس روزوں کی کمائی اُس کی دہلیز پہ دھر کر، اگلی صبح واپس آتا ہوں۔

Marfat.com

وہ رات جس پہ تھا فردوس و عاقبت کا مدار

وہ رات ہم سرِ کوئے بتاں گزار آئے

۳) عطر کا استعمال ـــــــ لوگ روئی کی پھریری عطر آلود کرکے، کان میں اُڑس لیتے ہیں۔ میں قمیص اٹھا کر بنیان پر، دل کے مقام پر عطر لگاتا ہوں کہ دل کے اندر جو رہ بس رہا ہے، اُس کی خوشامد مطلوب ہے ـــــــ نہ کہ خود اپنی۔

۴) چودھویں ـــــــ جاڑے کے موسم میں، ہر ماہ کی چودھویں رات میں وزیر کے پاس گزارا کرتا ہوں۔ اس روز میں دوپہر ڈیڑھ دو بجے کے بعد اگلی صبح تک مطلق کچھ کھاتا پیتا نہیں، تاکہ نیند اور غفلت غلبہ نہ پاسکے۔ خالی پیٹ رہنے سے حواسِ لطیف بالیدہ ہوتے ہیں۔ چنانچہ شام سے صبح تک وزیر کو دیکھتے رہنے کے علاوہ اور سب کام موقوف ہوتے ہیں۔ دَورانِ مشاہدہ مجھے کئی مرتبہ نازک خیالات اور لطیف سے لطیف احساسات میسّر آئے۔

۵) اِفتتاح ـــــــ چائے پی رہے ہوں تو پیالی میں سے پہلا گھونٹ وزیر پیے گا اور پیالی مجھے عنایت کردے گا۔ کھانا کھا رہے ہوں تو پہلا لقمہ وزیر خود اپنے ہاتھ سے مجھے کھلاتا ہے۔

---

# امام حسین علیہ السّلام

کے مناقب ـــــــ بھلوال کالج کے طلباء کے سامنے، عشرۂ محرم میں بصد عقیدت و احترام میں بیان کر رہا تھا، لڑکے بھی متوجہ، مؤدب اور مستمع تھے۔

Marfat.com

عقیدت کے رنگ نے ماحول میں جذبات کی ایک ہیجانی سی فضا پیدا کر دی۔

ایک بڑی سی میز پر میری نشست تھی اور لڑکوں کی کرسیوں سے یہ نشست دو فٹ بلند تر تھی۔ حاضرین کی آخری قطار تک میری نظر بخوبی پہنچ رہی تھی۔ لڑکے واقعاتِ کربلا اور فضائلِ امام میں محو ہو چکے تھے۔

ناگاہ، میری نگاہ دروازے کے شیشے سے باہر گئی۔ دُور سے وزیر کو سیاہ پتلون اور سفید قمیص میں ملبوس، خراماں خراماں کالج کی طرف آتے ہوئے میں نے دیکھ لیا۔ دِل ناشکیب مچل اُٹھا، آنکھوں کے چشمے پھوٹ پڑے۔

"سر، بولتے بولتے چُپ کیوں ہو گئے ہیں؟" ایک لڑکے نے کہا۔

"سر، جذبات سے مغلوب ہو گئے ہیں!" دوسرے نے کہا۔

"اُفوہ، سر، تو رو رہے ہیں!" تیسرے نے کہا۔

"سر، بہت رقیق القلب ہیں، یہ ہمیں پہلے بھی معلوم تھا۔" ایک اور لڑکے نے کہا۔

"سر، محبّتِ امام میں واقعی اس دَور کی ایک یادگار شخصیت ہیں، آسمان بغیر ستون کے آخر بلا وجہ تو قائم نہیں۔" "یہی لوگ ہیں، جن سے نظامِ عالم قائم ہے۔" بہت سے لڑکے آپس میں دھیمی دھیمی سرگوشیاں کر رہے تھے۔

---

# ایمانِ کامل

"جب آدمی پہلی بار شراب پیے، یا کوئی گناہِ کبیرہ کرنے لگے تو اس کا ایمان اُس کے اندر سے نکل کر ایک فاصلے پر اُس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر تکنے

Marfat.com

لگتا ہے اور اسے شرمانے کی کوشش کرتا ہے کہ وہ گناہ سے باز آجائے۔"
مولوی صاحب نے مسئلہ کیا۔

وزیر اس وقت، میرے سامنے ایک مناسب فاصلے پر تھا۔ میں نے دیکھا تو وہ میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھ رہا تھا۔ تبسم کی پُو اس کے عُنابی ہونٹوں سے پھوٹنے لگی۔ مولوی صاحب نے پھر اُسی مسئلے پر زور دیا۔ میں نے اپنے اندر جھانک کر دیکھا ـــــــ ایمان والی جگہ بھی وزیر ہی نے پُر کر رکھی تھی۔ میں نے فوراً ہی باہر سامنے دیکھا تو وزیر کا چہرا تبسم کی کھلکھلاہٹ سے تازہ گلدستہ بن چکا تھا۔ میں نے پھر اپنے اندر دیکھا ـــــــ مسرت اور اطمینانِ کامل کی خوبصورت دھنک باطن کے پُورے ماحول پر فوز و فلاح کے رنگ بکھیر رہی تھی۔

سبحان اللہ! کِس قدر خوبصورت اور سالم و کامل تھا میرا ایمان جسے ایک مولوی صاحب کی بدولت اپنے روبرو دیکھ لیا۔ الحمدللہ!

اب بھی دماغِ زہد کو شک ہے مری نجات پر؟

---

# پیرانِ پیر

طریقت کے پیشوا ـــــ حضرت صوفی محمود سدیدی مدظلہٗ سے وزیر نے ۱۹۷۳ء میں بیعت کی۔ جب کہ خود صوفی صاحب، میرے والدِ بزرگوار سے بیعت ہیں۔ اس لحاظ سے راقم الحروف گویا صوفی صاحب کا پیرزادہ ہُوا۔ لیکن ایک ادنیٰ شاگرد اور غلامِ کمترین ہونے کو بندہ نے ہمیشہ ہمیشہ ترجیح دی ہے۔

Marfat.com

وزیر نے بیعت کے بعد، عقیدت و محبت میں کوئی گرمجوشی نہ دکھلائی۔ سال میں ایک بار جمعۃ الوداع کے موقع پر، وہ اپنے شیخِ مکرم کی زیارت کے لیے خانقاہِ معظمیہ میں آتا، جہاں صوفی صاحب قبلہ لاہور سے آکر پہلے سے تشریف فرما ہوتے تھے۔ دوسری مرتبہ خواجہ معظم دین کے عرس پر وزیر آتا اور یہ آنا اُس کا میرے لیے ہوتا تھا، ضمناً وہ صوفی صاحب کی زیارت سے بھی مشرف ہوتا تھا۔

وزیر کی اس سُست روی کے باوجود، میں جب بھی لاہور صوفی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوتا، یا وہ خانقاہِ معظمیہ میں تشریف فرما ہوتے، میں ہر بار نہایت ہی زوردار الفاظ میں جنابِ موصوف سے، وزیر کے لیے التماسِ توجہ کرتا۔

عاجز آکر، ایک مرتبہ صوفی صاحب نے فرمایا: "نہیں معلوم، یہ وزیر میرا مُرید ہے یا پیرزادہ یا پیر؟" میں نے برجستہ عرض کیا "یا شاید پیرانِ پیر"۔

صوفی صاحب حد درجہ محظوظ ہوئے اور فرمانے لگے "ہے تو درست!"

---

# وزیر کیا کرتا ہے؟

دسمبر ۱۹۸۲ء میں لاہور جانے کا اتفاق ہوا۔ برانڈرتھ روڈ پر، حاجی عیص اللہ خان صاحب کی موٹر کار میں بیٹھے بیٹھے اچانک دل کو زبردست کشش ہوئی، اور میں نے اپنے ساتھی کو بھیج کر، حضرت صوفی صاحب کو لوہاری دروازہ سے وہاں آنے کی زحمت دی۔

تھوڑی ہی دیر بعد، جناب تشریف لائے، دیکھنے میں بہت خوش تھے۔ ہشّاش چہرا اور سفید ملبوس، ایک خاص روحانی کیفیت پیدا کر رہے

Marfat.com

تھے ۔ حاجی عیص اللہ صاحب خریداری کو گئے تھے ۔ کھڑی موٹر ہی میں ، صوفی صاحب قبلہ میرے ساتھ بیٹھ گئے ۔

"وزیر کیا کرتا ہے ؟" قبلہ نے دریافت فرمایا ۔

"قوالیاں سُنتا ہے !" میں نے عرض کیا ۔

نہ معلوم کیا راز تھا اور کیا کیفیت ، کہ حضرت نے بس اِتنی سی بات پہ اِتنا وجد و حال فرمایا کہ سنبھالنا مشکل ہو گیا ۔ میں خود حیرت میں ڈوب گیا اب یہ لکھ رہا ہوں اور خیال آرہا ہے کہ آنے والے برسوں میں اس تحریر کو پڑھ کر لوگ کیا کہیں گے ؟ ۔

---

# گھر والا گھر میں

بھلوال میں رشید نظامی کے سٹوڈیو پہ وزیر کو میں نے کہا : "بس اب آپ جائیں اور گھر پہ آرام کریں ۔"

ظہر کا وقت تھا ، وزیر چلا گیا ۔ جیسے میں کہتا تھا ، اُسی طرح وہ کیا کرتا تھا ۔ میں نے گھر کا کہا تھا ، لہذا مجھے یقین تھا کہ گھر ہی کو گیا ہے ۔

میں اس وقت ذوق کی ایک خاص کیفیت میں تھا ۔ چنانچہ ، خدا کے حضور سجدۂ شوق بجالانے کے لیے ، میں قریب ہی گلی والی مسجد میں چلا گیا ۔ اندر دیکھا تو وزیر کھڑا تھا ۔ مسجد سے میں فوراً ہی ایک ایسی جھجک کے ساتھ لوٹ آیا ، جیسے : گھر والا گھر میں تھا اور میں بغیر اجازت اندر چلا گیا تھا ۔ تب میں نے یوں کہا ــــــــــــــــ

Marfat.com

تُو تھا کہ خُدا تھا مجھے کچھ ہوش نہیں ہے
جلوہ ترا جھلکا کہ وہ نیرنگِ نظر تھا

---

# چاند جنُوب کی طرف

میرے والدِ بزرگوار جُمعہ کا خُطبہ دے رہے تھے۔ خانقاہِ معظمیہ میں اس روز انبوہِ کثیر جمع تھا۔ وزیر میرے بائیں پہلو میں کھڑا، نماز کی نیّت باندھنے والا تھا۔

والد صاحب قبلہ نے تکبیر شروع ہونے سے پہلے، اچانک فرمایا کہ ـــــ
ـــــ نیا چاند ہونے والا ہے اور نیا چاند تحقیق سے دیکھا کرو، اور یاد رکھّو کہ سردیوں میں چاند جنوب کی طرف اپنے مدار میں ہوتا ہے۔

میں نے فوراً جنوب کی طرف جھانک کر دیکھا۔ وزیر پہلو میں کھڑا مسکرایا کہ: "چاند نظر آگیا ہے؟" میں نے کہا: "واقعی! حضرت نے درست فرمایا ہے"۔

---

# ایک مُطمئن، سب پریشان

۱۹۷۳ء میں، اچانک ایک خواہش میرے دل کو ڈس گئی، جس کا اثر زائل کرنا میرے بس میں نہ تھا، خواہش یہ تھی کہ: میں ننگے پاؤں وزیر کی گلی میں سے ہوتا ہُوا، آستانِ یار تک پہنچوں کہ شرطِ نیاز مندی پوری ہوسکے۔

Marfat.com

قدرتِ قاہرہ کا مزاج ، جمہوریت پسند عوام کی کثرتِ رائے کا احترام کرنے کی بجائے کٹر بے نیاز اور قطعی بے پروا واقع ہُوا ہے ۔ میری ننّھی سی خواہش کو پُورا کرنے اور عوام میں مجھے انگشت نما ہونے سے بچانے کے لیے ، جلالِ قدرت نے بہترین سلیقہ مندی سے اسباب و علل کی سلسلہ جنبانی کی ۔

سیلاب ہر طرف سے امڈنے لگے ۔ تاریخ نے طوفانِ نوح کا اعادہ کر دیا ۔ بھلوال شہر کے کوچہ و بازار میں گھٹنے گھٹنے تک پانی بہتا پڑا پھرتا تھا ، جس جگہ میرا قیام تھا وہاں پانی نہ گیا ۔ عصر کے وقت میں ننگے پاؤں اپنی قیام گاہ سے بہتے پانی میں شپا شپ چل پڑا ۔ پانی میں چلنے سے کسی نے بھی یہ محسوس نہ کیا کہ میں ننگے پاؤں ہوں ۔ وزیر کی گلی میں پانی اور بھی زیادہ تھا ۔ باوجود دراز قامت ہونے کے میرے گھٹنے ڈوب رہے تھے ۔

اس طرح ، میں وزیر کے مکان پر پہنچ گیا ۔ کریم کارساز اور ستار العیوب کی قدرت سے اُس روز ایک میں مطمئن تھا ، باقی سب پریشان ۔

---

# بدلی جو اُدھر سے اُٹھتی ہے

۱۹۷۳ء میں بارشیں بہت کثرت سے ہوئیں ، لوگ عاجز آ گئے ۔ عصر کے وقت وزیر کے پاس میں بیٹھا تھا ۔ اُوپر سے اس کے بڑے بھائی آتے ۔ موسم کی خرابی کا ذکر اُن دنوں کی ہر محفل کا اوّلین موضوع ہوتا تھا ۔ بڑے بھائی نے کہا کہ " اُدھر سے جو بدلی اٹھتی ہے وہ ٹلتی ہرگز نہیں ، اور یہیں بھلوال آکر

Marfat.com

برستی ہے، اور آگے وہ جاتی بھی نہیں۔"

اشارہ جنوب کی طرف تھا۔ اتفاقاً اس وقت اُدھر کا مطلع بھی کافی خراب تھا۔ میرا گاؤں معظم آباد اُسی طرف تھا۔ بڑے بھائی کے اس بھرپور اشارے اور اس کی بشدّت تاکید سے، چھوٹا بھائی وزیر بہت ہی محظوظ ہو رہا تھا۔ وزیر کے تبسّم کا اسلوب مجھے کھائے جا رہا تھا۔ میں نے انصاف کیا تو بارشوں کے تمام نقصانات کی بخوبی تلافی کر جانے کے بعد بھی، وزیر کے ایک تبسّم میں بہت کچھ ثروت باقی بچ رہتی تھی۔ چنانچہ میرا خیال جامی کے اِس شعر کی طرف چلا گیا:

یک خندہ کردی و دلِ ما شد از آنِ تو
بارِ دگر بخند کہ جان ہم برای تست

---

# دس گُنا صِلہ

"ہر نیکی کا دس گنا صلہ، اِسی دنیا میں ضرور مل کر رہتا ہے۔" مولوی صاحب نے مسئلہ کیا اور میں نے پلّے باندھ لیا۔

۱۹۶۵ء میں، ایم اے کرنے کے بعد، مَیں تلاشِ روزگار میں تھا اور سوچا کرتا تھا کہ اگر نوکری مل گئی تو تنخواہ میں سے والدین کی اتنی خدمت کروں گا، بیوی بچوں کے لیے اتنا کچھ وظیفہ مقرر کر دوں گا، اور خاص اپنی ذات کے لیے جو بچ رہے گا، اس میں سے پھر پس انداز کر کے، ان لوگوں کی خدمت

کروں گا، جنھوں نے میرے والدین کی خدمت کی تھی۔ اس طرح ذہن ہی ذہن میں کافی امورِ خیر انجام دے کر گویا میں بہت سی نیکیاں جمع کر لیتا تھا۔

نوکری لگ گئی، تنخواہ ملنا شروع ہو گئی۔ تین تین ماہ کی تنخواہ قبل از وقت ادھار لے کر بمشکل گھر کا خرچ چلنے لگا۔ نہ بال بچے راضی، نہ خود ہی مطمئن۔

نو سال کا میرا چھوٹا بیٹا قطب فصیح ۱۹۸۲ء میں، میرے حالات پر گہری ہمدردی سے سوچنے پر مجبور ہو گیا ——— "ابا جی! آپ پریشان نہ ہوں، میں مرغیاں رکھوں گا اور بہت سے انڈے آپ کو کھانے کے لیے دوں گا۔" "ابا جی! میں ایک بہت بڑا فارم بناؤں گا جس میں گائیں بھینسیں رکھوں گا، پھر چائے کے لیے آپ کو دودھ کی کمی نہیں رہے گی۔" "ایک بڑے سے تالاب میں، میرا خیال ہے میں مچھلیاں پالوں گا۔ ابا جی! میں چھٹی والے دن آپ کو مچھلیاں بھی پکڑ دیا کروں گا۔" "ابا جی! آپ سرگودھا لاری پر نہ جایا کریں، میں آپ کو کار لے دوں گا۔"

گھر میں چولہے ہانڈی کے ماحول میں بیٹھے بیٹھے میں نے قطب فصیح کا شکریہ ادا کیا اور اسے بہت بہت شاباش دی کہ وہ اچھا بچہ ہے، اور والدین کی خدمت کو فرضِ اوّلین سمجھتا ہے۔

رات مجھے نیند نہ آئی۔ میں نے حساب لگایا۔ جتنی خدمت نوکری لگنے سے پہلے، میں اپنے والدین کے لیے مناسب خیال کرتا تھا، ٹھیک اس سے دس گنا قطب فصیح میری خدمت سے عہدہ برا ہو چکا تھا۔ میری سوچ کی حس نے جس نیکی کی خیالی لذّت اٹھائی تھی، قدرت نے اپنی فیاضی سے اُس سے دس گنا نیکی کی لذّت میری حسِّ سماعت کو مرحمت فرما کر بقول مولوی صاحب رحمت کا وعدہ پُورا کر دیا۔

Marfat.com

اگلی صبح میں اپنی والدہ کی تُربت پر حاضر ہُوا۔ کچی قبر اور گرد آلود پوشش دیکھ کر آنکھوں میں آنسو آگئے۔

---

# کراچی

بندرگاہ پر میں چلا گیا۔ بڑے بڑے گٹھڑ نظر آئے۔ پوچھا یہ کیا ہے؟ بتایا گیا کہ "روئی کی گانٹھیں ہیں!"

"اور وہ کیا ہے اُونچا مینار سا؟" بتایا گیا کہ "یہ نگرانی کا ٹھکانہ ہے — جہاں چوکیدار پاسبانی کرتا ہے کہ کوئی آتشیں مادہ یہاں نہ لا سکے"۔

"خوب!" میں نے کہا: "تاکہ یہ روئی جل کر خاکستر نہ ہو جائے"۔

"جی ہاں!"۔ "یہی مقصد ہے!"۔ میرے رہنما نے کہا۔

"ٹھیک ہے!" "ٹھیک ہے"۔ میں نے کہا: "ایک پرانا مسئلہ سمجھ میں آگیا"۔

قدرت نے مجھے جنت میں نشو و نما دے کر جب ارضی زندگی کے لیے زمین پر بھیجا تھا تو روئی سے بدرجہا لطیف تر حواسِ خمسہ کے بڑے بڑے قیمتی گٹھڑ زادِ راہ کے طور پر ہمراہ کر دیے تھے۔ عناصر سے ترکیب دے کر میرے جسم کو ——— چوکیداری کا مینار یا کھیتوں میں رکھوالی والا ڈامچا یا مچان بنایا اور اس پر میری دانش کو پاسبانی پر مأمور کیا۔

روئی کے بڑے سے بڑے ڈھیر کے لیے ننھی سی ننھی چنگاری بھی بہت ہے۔ برق و آتش کو اپنی جلو میں پرورش دینے والی وزیر کی نگاہ

Marfat.com

ناز، میرے حواس کے کھلیان کی جانب جب متوجہ ہوئی تو سب سے پہلے میری دانش نے اُس سے سازش کی۔ پھر تو یہ نگاہِ شعلہ بار کتنی ہی بار کرم فرما ہو چکی ہے۔ جو کچھ اس نگاہ سے بچ رہا ہوگا، اس کا تخمینہ آپ خود ہی لگالیں۔

شد از تصرفِ چشمِ تو آن زمان خبرم
کہ شعلہ در جگر افتادہ، بے خبر می سوخت

کراچی بندرگاہ پر جانے سے، وزیر کے ساتھ اپنے تیرہ برس پرانے تعلّق کی نوعیت کا پتہ چل گیا! الحمد للہ! شکریہ اس لیے ادا کر رہا ہوں کہ میں نے سُنا ہے کہ تخمِ وفا اسی دِل میں سرسبز ہوتا ہے جو زیادہ سے زیادہ شکر گزار ہوتا ہے۔ نیز شکر گزار پر اس نعمت میں اضافہ کیا جاتا ہے، جس کے لیے شکریہ ادا کیا جائے۔ وزیر کی نگاہِ ناز ——— جو اتنی خرمن سوز اور بلا آفریں ہے، میں نہیں چاہتا کہ اس کا ہدف میرے دل کے علاوہ کوئی اور ہو:

نمی خواہم کہ پیشِ دیگران آید بلای من

---

# شاہ سوار

ایک مسافر ایک وقت میں ریل کے کسی ایک ہی ڈبے میں سوار ہو سکتا ہے۔ یا ایک سوار بیک وقت کسی ایک گھوڑے کی پیٹھ پر ہی بیٹھ سکتا ہے۔

وزیر وہ شاہ سوار ہے کہ ——— میرے حواسِ خمسہ کے پانچوں اصیل گھوڑوں میں سے ہر ایک کی پیٹھ پر، بیک وقت ستّر ستّر ہزار مرتبہ، بلکہ

Marfat.com

اس سے بھی کہیں زیادہ بار سوار ہے، اور ہنوز حسرت ہے کہ اس کی معیت سے میں جی بھر کر متمتع نہیں ہو سکا۔

---

# کُشتی

میرا دل ایک گھوڑا ہے اور سوار دو۔ ایک' ایک طرف لے جانا چاہتا ہے اور دوسرا' دوسری طرف۔ دونوں میں کشتی ٹھن گئی۔

گھوڑا بدکنے کی بجائے سر جھکائے کھڑا رہتا ہے۔ دونوں سواروں کے حق میں گھوڑے کی عقیدت مندی دیکھ کر، سواروں نے بھی آپس میں اس شرط پر صلح کر لی کہ: پہلے ایک سفر کر لے، پھر دوسرا۔

دُنیا کا سفر وزیر نے اختیار کیا اور آخرت کے سفر کی باگ خواجہ معظم دین نے تھام لی۔

---

# تین مُرید

خانقاہوں کا ایک مبصّر مجھ سے کہنے لگا: فلاں حضرت صاحب کے ایک لاکھ مرید ہیں، جب کہ خواجہ معظم دین کے صرف تین ہزار مرید ہیں۔

میں نے کہا: صوفی مخمور سدیدی، حافظ یوسف سدیدی اور وزیر کو چھوڑ کر باقی دو ہزار نو سو ستانوے بھی اُنہیں کے کھاتے میں ڈال دو'

Marfat.com

خانقاہِ معظمیہ کو کچھ فرق نہیں پڑتا۔

یار باماست چہ حاجت کہ زیادت طلبیم
دولتِ صحبتِ آن مونسِ جان مارا بس

# طوفانِ ناز

جاڑے کی ایک سرد ترین چودھویں کو، وزیر سے میں نے اس کی سرد مہری کا شکوہ کیا۔ جواب میں اُس نے کچھ نہ کہا۔ بالکل چُپ رہا۔ اس کے چہرے پر جو میں نے دیکھا تو جوابِ شکوہ کا ایک مفصل محضر نامہ وہاں مرقوم پایا۔

ابرو کھنچے ہُوئے تھے۔ لمبی لمبی نوکیلی اور خم دار پلکیں تیزی سے جھپکتی جاتی تھیں۔ سنگین خاموشی سے برہمی کے آثار اس طرح ٹپک رہے تھے جیسے گھٹا سے بجلی کے کوندے برس پڑیں۔

پلٹ کر، میں نے اپنے دل کو دیکھا تو معلوم ہُوا صدیوں پہلے کرچیاں بن کر اُڑ چکا ہے۔ اور جب دل ہی نہ رہے تو شکوہ کیسا؟ طبیعت خوب صاف ہوگئی۔ وزیر کی اس کیفیت کو میں نے طوفانِ ناز کا عنوان دیا۔ نظیری نیشاپوری کا یہ شعر میں نے صورتِ حال کے بہت قریب پایا۔

پیوستہ ابرو در کشش، ہموارہ مژگان در زدن
تا کے کسے بر دل خورد این دشنہ ہای تیز را

تب میں نے یوں کہا:

غمزہ ترا تو عشوہ و ناز و ادا ترے    اک میرے دل پہ حملہ اور اتنی سپاہ کا

Marfat.com

# دہلی اور کلّر کہار

غالب ـــــــ اُردو کے تخئیلی ادب کا سب سے بڑا مہادیو ہے۔ محض رسمی شعر کا غالب کے قلم سے سرزد ہونا اتنا ہی عیب ہے جتنا کہ کسی عام شاعر کے قلم سے اچھے شعر کا نکلنا باعثِ فخر ہے۔ دہلی کے پُرہجوم شہر اور پُرآشوب دَور میں، غالب کا لِکھا ہُوا یہ شعر ۱۹۶۴ء میں، میری نظر سے گزرا تھا:

تا در آب افتادہ عکسِ قدّ ِ دلجویش

چشمہ ہمچو آئینہ فارغ از روانیہاست

اس کی تنویری فضا بندی، تجسیمی تعبیر اور تصویری منظر نامہ ـــــــ میں نے ۱۹۸۲ء کی گرمیوں میں کلّر کہار کے مقام پر دیکھا۔ مری سے واپسی تھی اور کڑکتی دوپہر۔ کلر کہار کے چشمے میں وزیر غوطہ لگا کر دفعتاً جب برآمد ہُوا تو واقعی ایک طلسمکاری سی ماحول میں پیدا ہو کر رہ گئی۔ چشمے کو دیکھ کر یُوں معلوم ہوتا تھا کہ ـــــــ کسی ساحر نے اس سیمیں چادر سے بہاؤ سلب کر کے اسے منجمد کر ڈالا ہے، یا بلور کی صُورت میں متحجّر کر دیا ہے، یا حوض میں نور کے ایک بڑے سے انبار کو آئینہ بند کر دیا گیا ہے۔

تب مجھے تعجّب ہُوا کہ ـــــــ غالب کے اس عامیانہ سے شعر نے اپنے موقع پر کتنی یادگار عظمتوں اور کتنی بے مثل رفعتوں کو اُبھارا۔ سچ ہے کہ:

ہر سخن جایے و ہر نکتہ مکانے دارد

Marfat.com

# خلافِ معمول

بھلوال میں، وزیر ایک مقررہ وقت پر روزانہ مجھے ملنے آیا کرتا تھا۔ عام طور سے وہ پابندئ وقت نبھاتا رہا۔ صرف ایک دن، وہ اپنا معمول نظر انداز کر گیا، اور میرے پاس نہ آیا۔

بیسویں صدی کی پہلی اور دوسری جنگِ عظیم میں، تاریخ اتنی تباہی نہیں بتاتی، جتنی میرے دل کی بستی میں وزیر کے جھانک نہ پانے سے اس ایک روز ویرانی پیش آگئی تھی۔

تب، میں نے یہ قطعہ وزیر کی خدمت میں لکھ بھیجا:

وقت پر کل ترے نہ آنے سے حال کتنا تباہ میرا تھا
اتنا کہتے ہوئے بھی ڈرتا ہوں کہ کہو! کیا گناہ میرا تھا

---

# اغوائے توجّہ

وزیر نے سونے کی خوبصورت انگوٹھی اپنی چھوٹی انگلی میں پہنی۔ میں نے پوچھا: پہلے تو کبھی پہنی نہ تھی، اب کیسے خیال آیا؟

کہنے لگا: "اس لیے کہ خوبصورت انگوٹھی لوگوں کی نظروں کو اپنی طرف ہی مصروف رکھے تاکہ میرا چہرا تمہارے دیکھنے کے لیے فارغ رہ سکے۔"

"صد آفرین!" میں نے کہا، اور وزیر کی اس تدبیر سے تادیر محظوظ ہوتا رہا۔

Marfat.com

# التباس

بنک کے ایک بڑے آفیسر، حاجی عیص اللہ خان میرے دوست تھے۔ انہیں مِلنے ایک روز میں بنک گیا، دُور سے دیکھا تو بنک کے صدر دروازے کے اندر، ایک خوش پوش جوان کھڑے کھڑے گردن جھکائے کاؤنٹر پر، کچھ کام کر رہا تھا۔

میرے خوش طبع ساتھی نے کہا: "اس کے کانوں پر جھکی جھکی زلفوں کے مرغولے وزیر کی کاکلوں جیسے ہیں!"

مَیں نے کہا: "وزیر کا انداز دوسرے کو کب میسّر آسکتا ہے؟"

ساتھی نے کہا: "خیر! دیکھ جو لیں گے۔"

بنک میں داخل ہوئے تو وہ جوان کوئی اور نکلا، وزیر نہ تھا۔ مَیں نے اپنے ساتھی کی طرف دیکھا۔ اُس نے نظریں جُھکا لیں۔

حاجی عیص اللہ صاحب کو مَیں نے پابند کیا کہ فلاں جوان جب تک بنک میں کام کرتا رہے، سردیوں میں ایک پیالی چائے اور گرمیوں میں ایک ٹھنڈی بوتل روزانہ اس کو وظیفہ بلاناغہ ملتا رہے۔ چنانچہ حاجی صاحب نے ایسا ہی کیا۔

مَیں نے اپنے دل میں سوچا کہ وزیر کی زلف جیسی کوئی اور زلف؟ یہ اشتباہ کس قدر مغالطہ انگیز اور فریب آمیز تھا۔ تب سے میں نے وزیر کو بے نظیر لکھنا شروع کیا:

کوئی تیرا نظیر کب ہوگا
بلکہ عُشرِ عَشیر کب ہوگا

اور اس اشتباہ کو التباس کا نام دیا۔

Marfat.com

# فہرست قطعات

( شاملِ اشاعت ہذا )

صفحہ ۱۱ - کلام : حافظ شیرازی ــــ خطاطی : خورشید رقم
صفحہ ۱۳ - کلام : غلام نظام الدین ــــ خطاطی : خورشید رقم
صفحہ ۱۴+۱۵ - کلام و خطاطی : خورشید رقم
صفحہ ۱۶+۱۷ - کلام : خورشید رقم ــــ خطاطی : حافظ یوسف سدیدی
صفحہ ۱۸ - کلام و خطاطی : خورشید رقم
صفحہ ۱۹ - کلام : غلام نظام الدین ــــ خطاطی : یوسف سدیدی
صفحہ ۲۰ - کلام : پروفیسر عبدالشکور سلیم قمر ــــ خطاطی : یوسف سدیدی
صفحہ نمبر ۲۱+۲۲+۲۳+۲۴ - کلام : خورشید رقم ــــ خطاطی : یوسف سدیدی
صفحہ ۲۵ - کلام : غلام نظام الدین ــــ خطاطی : خورشید رقم
صفحہ نمبر ۲۶+۲۷+۲۸+۲۹ - کلام : خورشید رقم ــــ خطاطی : یوسف سدیدی
صفحہ نمبر ۳۰+۳۱ - کلام : منسوب بہ نظامی گنجوی ــــ خطاطی : خورشید رقم
صفحہ ۳۲ - مشق : خورشید رقم - (بحوالہ حکایت "خوش خطی" صفحہ ۲۱۳)
صفحہ ۳۳ - ا : کلام : حافظ شیرازی ــــ خطاطی : خورشید رقم
ب : کلام و خطاطی ــــ خورشید رقم
صفحہ ۳۴ - کلام : غلام نظام الدین ــــ خطاطی : یوسف سدیدی
صفحہ ۳۵ - کلام : خورشید رقم ــــ خطاطی : یوسف سدیدی

Marfat.com

صفحہ ۳۶+۳۷ - کلام: غلام نظام الدین ـــــ خطاطی: یوسف سدیدی

صفحہ ۳۸ - ا: آیت، مشق: خورشید رقم

ب: کلام: جامی ـــــــــ خطاطی: خورشید رقم

صفحہ ۴۱+۴۲ - کلام: خورشید رقم ـــــ خطاطی: یوسف سدیدی

صفحہ ۴۳ - آیت، مشق: خورشید رقم

صفحہ ۴۸ - کلام و خطاطی: خورشید رقم

صفحہ ۸۵ - کلام: ہلالی استر آبادی ـــــ خطاطی: خورشید رقم

صفحہ ۱۰۱ - آیت، مشق: خورشید رقم

صفحہ نمبر ۱۱۴+۱۱۶+۱۲۹ - کلام: غلام نظام الدین ـــــ خطاطی: یوسف سدیدی

صفحہ ۱۵۵ - کلام: جامی ـــــــ خطاطی: خورشید رقم

صفحہ ۲۰۸ - خطاطی: خورشید رقم

Marfat.com

صفحہ ۱۲ ۔ نعتیہ قطعہ ـــــ کلام وخطاطی ـــــ نفیس رقم

## حقیقت اور تخیل

انسان کی تخلیق جنت میں ہوئی ہے ۔ جنت ـــــ خدا کے تخیل کا حسین ترین شاہکار ہے ۔ جنت کے دلفریب اور نظر افروز مناظر، انسان کی بھولی بسری یادوں کے پس منظر میں موہوم جھلکیوں کی صورت میں، بہر حال موجود ہیں ۔ یہی جھلکیاں انسانی تخیل کے لیے لاسے کا کام دیتی ہیں۔ انہی جھلکیوں سے بار بار لذت اندوز ہونے کی فطری خواہش انسانی تخیل کی بالیدگی اور عروج وارتقا کا نہایت موثر سبب ہے ۔ انسانی تخیل خدا کے تخیل سے آگے کبھی نہیں بڑھ سکتا۔ لہذا، انسانی تخیل کی پرواز ادنیٰ سے اعلیٰ اور دنیائے موجود سے فردوس بریں کی طرف ہے ۔ قرآن و حدیث میں ایسے کئی حوالے ملتے ہیں کہ ـــــ جنت میں جس طرح کے مناظر ہیں، تم نے اس قسم کے نہ پہلے دیکھے ہوں گے اور نہ سُنے ہوں گے ۔ اس سے بھی ظاہر ہوا کہ مقامِ فردوس انتہائی تخیل کی منتہا ہے ۔ اس سے آگے ایک ہی مقام ہے اور وہ ہے رویتِ الٰہی کا ۔ خدا چونکہ مخلوق نہیں ہے ، لہذا تخیل کی آخری رسائی صرف مقامِ فردوس تک ہی ممکن ہے ۔

تاریخ کے ہر دور میں، حواس و مدرکاتِ انسانی کی گرفت میں آنے والی حقیقتِ موجود سے تخیل ہمیشہ آگے ہی رہا ہے ۔ ماضی میں، ہوا اور فضا تسخیر ہونے سے پہلے، جب انسان مویشیوں کی طرح پیدل ہی سفر طے کیا کرتا تھا، اس وقت ـــــ پرندوں کو اڑتے دیکھ کر جذبۂ حسرت نے تخیل کو بھڑکایا اور پریوں کا مفروضہ قائم کیا گیا ۔ اسی طرح اُڑن کھٹولے کا تصور اختراع کر لیا گیا ۔ اب ہم اپنی مثال کا آغاز اس دور سے کرتے ہیں جب بیل گاڑی معرضِ وجود میں آ چکی تھی ۔ چنانچہ، حقیقتِ موجود مثلاً بیل گاڑی کو اگر ہم پرکار کے عمل میں دائرے کا مرکزی

Marfat.com

نقطہ قرار دیں تو پرکار کا گھومنے والا سرا محیط کا جو خط کھینچے گا، یہ خط تخیل کی نشاندہی کرتا ہے چنانچہ، بیل گاڑی کے ہوتے ہوئے اڑن کھٹولے کے تصور نے جب ہوائی جہاز کی صورت اختیار کرلی تو خیال نے خلائی سفر اور تسخیر کواکب کی نئی تجویز سامنے لاکر ڈال دی۔ دوسرے لفظوں میں حقیقت وہ ہے جہاں ہم اس وقت کھڑے ہیں اور تخیل کی منزل وہ ہے جہاں ہمیں پہنچنا ہے۔ آج کل کے بعض معروف اخبارات بھی SCIENCE FICTION کے عنوان سے ایک مستقل کالم چھاپ رہے ہیں —— جس کا مطلب یہی ہے کہ مرکزی نقطے سے محیط کی طرف ہر جہتی پیش رفت۔ یعنی، سائنس کی موجودہ دریافتوں کو مدِنظر رکھ کر آئندہ پچاس برس میں سائنس کے متوقع ارتقا اور عظیم نشو ونما کی پیشگوئیاں افسانوی رنگ میں کی جارہی ہیں۔

## نستعلیق اور میں

خطِ نستعلیق کا مجھے بھی بہت شوق بلکہ پھڑک ہے۔ ایرانی نستعلیق مجھے بیحد پسند ہے نستعلیق کا دائرہ اور مدّ، میرے نزدیک نستعلیق کے تمام جمال و کمال کے دو سب سے بڑے نمائندے ہیں ایرانی نستعلیق کو چھیڑنے یا اس میں قطع و برید کی ضرورت نہ تھی۔ خیر! جن اسباب کے تحت بھی ہوا —— پرویں رقم نے اپنی طبیعت کی اپج سے، ایرانی نستعلیق میں کانٹ چھانٹ کرکے، اپنی الگ طرز نکالی۔ پرویں رقم کے ابتدائی دور کی بعض رباعیاں میں نے دیکھی ہیں۔ وہ ایرانی نستعلیق سے بہت قریب تر اور انتہائی پرکشش ہیں۔ پرویں رقم کا وہ اسلوب جو بانگ درا بالِ جبریل اور رباعیاتِ گرامی میں ملتا ہے، ایرانی نستعلیق سے بہت کچھ مختلف ہے۔ یہی اسلوب بعد میں پرویں نستعلیق کہلایا۔ اور پاکستان کا قومی خط ہونے کا اسے شرف بھی حاصل ہوا ہے۔ پرویں رقم کے بعض نامی گرامی مقلدین میں اس طرز کا حسن محفوظ رہا۔ لیکن اخبارات کے سرخی نویسوں اور عام روزگار کرنے والے کاتبوں کے نمونے میں دیکھتا ہوں تو بہت

Marfat.com

عجیب سے لگتے ہیں۔ ایرانی نستعلیق میں ترچھے لائنوں میں لکھی ہوئی ایک رباعی اگر جمالِ پارہ ہے تو پردیسی نستعلیق کے ایک عام کاتب کی لکھی ہوئی رباعی میرے خیال میں ——— تاج محل کے مقابلے میں ریفیوجی کیمپ یا افغان پناہ گزینوں کے کٹے پھٹے جھونپڑے سے بہت مشابہ ہے، جس میں حسن کا قحط اور شدید افلاس نظر آئے گا۔

## شاہ صاحب کی عظمت

نستعلیق میں ——— حافظ محمد یوسف سدیدی اور صوفی مخمور سدیدی صاحب سے اکثر بات چیت ہوتی رہتی تھی۔ کثرتِ محنت کی وجہ سے ان حضرات نے اپنے اپنے اسلوب میں جو انفرادی حسن پیدا کر لیا تھا اس کا کسے اعتراف نہیں اور ان کی عہد آفریں عظمت سے بھی کسے انکار ہو سکتا ہے۔ لیکن میرا طریقہ یہ تھا کہ ——— اچھے سے اچھے نستعلیق کو میں کئی مرتبہ دیکھا کرتا تھا۔ اور ہر مرتبہ تا دیر دیکھتا رہتا تھا۔ پھر مجھے خیال آتا کہ یہ لفظ اگر یوں ہوتا تو بہتر ہوتا، وہ لفظ اگر یوں ہوتا تو کتنا بھلا لگتا۔ یوں اصلاح و ترمیم سوچتے سوچتے میرے اندر ایک تنقیدی ملکہ بیدار ہو گیا۔ حضرت صوفی مخمور سدیدی گواہ ہیں کہ میں نے کوئی چیز لکھوانی ہوتی تو جو سیٹنگ میں اپنے قلم سے دے بھیجتا، اکثر و بیشتر حضرت صوفی صاحب وہی سیٹنگ قبول فرماتے اور اسی طرح لکھ دیتے۔ حافظ صاحب میری سیٹنگ میں بعض مرتبہ ترمیم کرتے اور خوب کرتے۔ لیکن عام طور پر وہ بھی میری سیٹنگ کو قبول کر لیتے تھے۔ اس طرح، میری حوصلہ افزائی ہو جاتی اور مجھے نستعلیق کے بارے میں اپنے حسنِ نظر پر بھروسا ہونے لگا۔ اگرچہ یہ سب کچھ حافظ یوسف سدیدی اور صوفی مخمور سدیدی صاحب کی خدمت میں چند گھڑیاں بیٹھنے ہی کا نتیجہ تھا۔

جمالِ ہمنشین در من اثر کرد
وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

Marfat.com

دسمبر ۱۹۶۲ء کی بات ہے کہ ——— گڑھی شاہو لاہور میں، حافظ یوسف صاحب کے مکان پر، ان کے فرزند بہارِ مصطفیٰ کی پیدائش کی تقریب میں بہت سے مہمان جمع تھے، کہ ایک دیوار پر ایک کیلنڈر دکھائی دیا، جس پر غالب کا یہ شعر لکھا تھا۔

نغمہ ہائے غم کو بھی اے دل غنیمت جانیے
بے صدا ہو جائے گا یہ سازِ ہستی ایک دن

میں نے حافظ صاحب سے پوچھا: "یہ شعر کس کا لکھا ہوا ہے؟"

حافظ صاحب نے کہا: "کیا وجہ ہے؟"

میں نے کہا: "اس میں غضب کی کشش ہے اور قلم کی گرفت مضبوط اور زوردار اسلوب لفظوں کی ترتیب، حروف کی کرسی، دائروں کی لطیف ساخت، مدّوں کی روانی، پیوندوں کی موزونیت اور نوک پلک کی تیزی سے حسن نہ صرف ابھر رہا ہے، بلکہ اچھل اچھل رہا ہے۔"

حافظ نے کہا کہ: "یہ شخص نستعلیق کا استادِ اجل اور عالمِ بے بدل ہے، میں جب اس کا لکھا ہوا دیکھتا ہوں تو حظ اور حظ سے حیرتِ حسن کے مقام میں کھو جاتا ہوں، ایک نشہ سا مجھ پر چھا جاتا ہے۔ میر انیس کی شاعری میں سلاست اور فصاحت کا جو مقام ہے۔ وہی کیفیت اس شخص کے زورِ قلم میں ہے، اور اس کے لکھے ہوئے نستعلیق میں دریا کے مستانہ ٹھاٹ کی طرح ——— ایک بے تحاشا فطری سلاست اور زوردار بہاؤ ہے۔ یہ شخص نہ صرف سریع القلم اور نفیس القلم ہے بلکہ بدیع القلم بھی ہے۔"

میں نے کہا: "آپ میرے محسوسات کی ہو بہو ترجمانی کر رہے ہیں،" بلکہ میں یہ کہنے والا تھا کہ: "میں اپنے حسنِ خیال کی بنا پر نستعلیق میں ترمیم و اصلاح کا جو نیا دائرہ لگاتا ہوں، یہ شخص اپنے بدیع اسلوب کی بنا پر، بہت سے مقامات پر اس دائرے پر چل رہا ہے۔ گویا یہ شخص تخیل کا فاتح ہے اور یہی علامت نابغہ ہونے کی ہے کہ اس نے حقیقتِ موجود کو کھینچ تان کر یا مرکز سے خطِ محیط کو ہر نقطے سے چھو کر تمام امکانی عظمتوں اور رفعتوں کی تسخیر کر لیا ہے

Marfat.com

حافظ صاحب نے کہا: "بالکل ایسا ہی ہے! اور اس شخص کے کمالات آئندہ زمانے میں آسمانی کواکب کی طرح جگمگ جگمگ فروزاں ہوں گے! ایک نادر رقم کی عظمت اور ایک جاودانی شہرت اس شخص کے قلم سے اپنی بیعتِ ارادت محکم و استوار کر چکی ہے۔ لوگ اس تجارتی دور کی عاجلانہ ضروریات کے تحت، اس شخص کے جمال و کمالِ فن اور اس کے درخشندہ مضمرات کو ہنوز بخوبی تشخیص نہیں کر سکے، ورنہ یہ شخص ہے وہ کہ ــــــ خط نستعلیق خود اس کے قلم سے منسوب ہو کر اپنے مقدر پہ فخر و ناز کیا کرے گا۔"

میں نے کہا: "آخر! یہ شخص ہے کون؟"

حافظ صاحب نے کہا: "میں جلد ہی ملاقات کا انتظام کرا دوں گا اور یہ ہیں شاہ صاحب!"

میں نے پوچھا: "شاہ صاحب کون سے؟"

کہنے لگے: "سید انور حسین نفیس رقم!"

میں نے کہا: "بہت خوب! اتنے بلند انسان کو دیکھنے کی سعادت میں ضرور حاصل کروں گا۔!"

چند روز بعد، بیٹھک کا تباں میں، حضرت مخمور سدیدی صاحب کے پاس مجھے حافظ صاحب لے گئے، وہاں تھوڑی دیر بعد حضرت شاہ صاحب تشریف لائے۔ تعارف ہوا، بہت مختصر سی ملاقات رہی۔ ایک اثرِ عظیم اپنی جامع الحیثیات اور متنوع الصفات شخصیت کا یادگار چھوڑ کر، حضرت شاہ صاحب جلد رخصت ہوئے۔

۱۹۶۲ء سے ــــــ حضرت شاہ صاحب کے نستعلیق کو میں بہت شوق سے دیکھتا رہا ہوں، اور اپنے ذہن ہی ذہن میں اُن کے خط کو نمبر بھی دیتا رہا ہوں۔ بہت عام یہ اتفاق ہوا ہے کہ ــــــ میرا ذہن انتہائی دقیق مناہج پر چل کر، پردینی نستعلیق کو نفیس تر بنانے کے لیے جو چند تجویزیں بمشکل فراہم کرتا، شاہ صاحب کا خط بسہولت، ہی حسن و جمال کی اُن ہی نادیدہ کیفیات کو حروف کے پیکروں میں جھلکا دیتا۔ بعض بعض مقامات پر تو اعتراف ہے کہ ــــــ شاہ صاحب کا خط میرے دائرہ خیال کو عبور کر کے نئی سرحدوں کی نشاندہی

کرنے لگتا۔ ایسے مقامات پر میں شاہ صاحب کے خط کو نمبر دینے کی بجائے حیرتِ جمال کے نشنے میں نادیر محظوظ ہوتا رہتا۔ ایک طرف اپنے خیال کی نارسائی، دوسری طرف شاہ صاحب کی بلاغتِ فکر! دونوں کے موازنے سے لطف ولذت میں اور بھی اضافہ ہوجاتا نستعلیق کے بارے میں، اکثر میں سوچا کرتا تھا کہ جس طرح ایک فن پارے کی سیٹنگ میرے ذہن میں ہے، ایسے شاید ہی کوئی لکھے گا!

ہزار نقش برآرد زمانہ و نبود
یکے چنانکہ در آئینہ تصورِ ماست

میرے اس پندار کو شکست شاہ صاحب کے قلم سے ہوئی۔

شاہ صاحب کے لکھے ہوئے نستعلیق کے بہت سے نمونے دیکھ چکنے کے بعد، میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ ـــــــ شاہ صاحب نستعلیق کے مجددِ اعظم ہیں۔ ان کی سعیِ بلیغ اور فکرِ بلند نے پرانی نستعلیق میں اصلاح و ترمیم کی اتنی مہم چلائی ہے کہ اب ہم نستعلیق کو طرزِ نفیس سے نامزد کرنے پر مجبور ہیں۔ شاہ صاحب کی لکھی ہوئی تحریر ایک مکمل کاروانِ جمال اور جنتِ نگاہ ہے جو ہے جہاں ہے وہیں حرفِ آخر ہے۔ جیسے دین کی تکمیل آنحضرت علیہ السلام پر ہوئی، اسی طرح نستعلیق کی تکمیل شاہ صاحب نے فرمادی۔ اب اس کے آگے ہلاکت ہی ہلاکت ہے۔

چند کتابوں کے سرورق لکھ دینا ـــــــ شاہ صاحب کا میدان نہیں ہے۔ ترچھی لائنوں میں شاہ صاحب کی لکھی ہوئی رباعیاں لاہور کے قومی عجائب گھر کی دیواروں پر کثیر تعداد میں ہونی چاہئیں۔ بلکہ شاہ صاحب کے نام کی ایک خصوصی گیلری کا عجائب گھر میں اضافہ ہونا چاہیئے نیز کروڑوں روپے کے صرفِ کثیر سے جو اردو ٹائپ بنوائی گئی ہے ـــــــ چاہیئے تھا کہ اتنے بڑے ٹائپ کی بنیادی لکھائی شاہ صاحب سے کرائی جاتی، تاکہ نستعلیق نہ صرف اپنی زندگی برقرار رکھ سکتا بلکہ اسکے حسن و جمال کی ہمہ گیر رعنائی و زیبائی بھی قائم و دائم رہ سکتی۔ ساتھ ہی ساتھ ملک و قوم کی ایک گراں قدر خدمت بھی پوری ہوجاتی۔

Marfat.com

اس کے علاوہ، حکومت پاکستان کرنسی نوٹوں اور ڈاک کے ٹکٹوں پر بھی شاہ صاحب سے لکھواتی تو بات بنتی۔ اب جو سرکاری لکھائیاں ہیں، مثلاً ——— کرنسی، ڈاک ٹکٹ، ریلوے بینک سٹیشنری، اور تمام قسم کے دفتری فارم وغیرہ ——— اتنی گندی اور بھدی لکھائی ہوتی ہے کہ اُجرت دے کر اس کی برداشت بھی واقعی حکومت ہی کی بدمذاقی کا حوصلہ ہو سکتا ہے۔ لاہور میں بڑی بڑی انجمنیں اور بڑے بڑے ادارے ہیں۔ اے کاش بزمِ نستعلیق کے نام سے کوئی ادارہ وجود میں آتا اور وہ ——— حضرت شاہ صاحب کی لکھائیاں ملکی سرمائے اور قومی ورثے کے طور پر محفوظ رکھتا۔

(غلام نظام الدین)

Marfat.com

# کالی گھٹائیں چھائی ہوئی ہیں
# اب تو ترکِ اسلام کرو

غلام معین الدّین نظامی

برموقعہ عرس مبارک ۱۰ جمادی الآخر ۱۴۰۱ھ ۱۶ اپریل ۱۹۸۱ء

کلام : معین نظامی ـــــــ خطّاطی : یوسف سدیدی

Marfat.com

خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوۂ دانشِ فرنگ

سُرمہ ہے میری آنکھ کا خاکِ مدینہ و نجف

۱۴۰۲ھ

کتبہٗ خورشید رقم

کلام : علامہ اقبال ——— خطاطی : خورشید رقم

Marfat.com

# غُلام نظامُ الدّین

خُدا پرست ہے اتنا کہ بُت پرستی میں
وہ شخص درجۂ پیغمبری پہ فائز ہے

شعیب شاہد

# مُعین نظامی

میرا عزیز ترین دوست —— معین نظامی —— بلا کا ذہین اور حسّاس شاعر ہے۔ وہ جذبات کی صداقتوں، احساسات کی نزاکتوں، فکر و نظر کی لطافتوں، اسلوب کی ملاحتوں اور لہجے کی شرافتوں کا فنکار ہے "آبگینے" اور "نگینے" اس کی شاعری کی محبوب اور مخصوص علامتیں ہیں۔ اس کا احساس آبگینہ ہے اور اس کا فن نگینہ۔ آبگینے اور نگینے کے اسی اتصال و امتزاج سے اس کی ابریشمی اور حریری شاعری جنم لیتی ہے۔

شُعیب شاہد

Marfat.com

Marfat.com

Marfat.com

home and on reaching home he has again come back to Bhalwal covering a trouble some distance of thirteen miles. So what can I say of his temprament after meeting such a situation.

Q. "CHANDNEY KA SHEHR" is a tale of your elegnce, how would you opine about that?

A. I cannot describe any thing, what am I ? It is his thinking, it is his kindness to which I have to submit.

Q. How your relatives and near and dear one to you feel?

A. In the whole city I have no personal friend. Pir Sahib's friends are my friends. My brothers have no time to spare from their business so as to take interest in these matters. Even I have no time to spare from my own worries and in this way how can we think on worldly affairs? People in general opine generally.

Q. Wazir Sahib, on my own request you have furnished me a heap of (a bundle of) Pir Sabib's letters by reading which I have become fed up, surely you would have become distasteful.

A. No, not at all. In reality you have received all these in one day and read them in one day whereas I received all these during a period of twelve years in different times and after periodical intervals.

Marfat.com

Q. What is your opinion about Pir Sahib's relations with you?

A. Our relationship is not materialistic but is spiritual, I feel it that it is going to last for ever. I think that this is on account of my Father's stay here and perhaps this was the will of God in his becoming a Muslim. The love shown by Pir Sahib is just equal to I have a love for him. Inthis way it is an equal partnership. The only difference is that Pir Sahib expresses his sentiments every where and before every body, whereas I do not wish to bring to light my own sentiments. Inspite of that I some times after becoming out of control on account of my passions I fear that Pir Sahib may not become fed up of me and afterward I feel very much ashamed of it.

Q. What type of tales are told by Pir Sahib?

A. Of crackness. Now a days in business circles love affairs come under this category.

Q. Any particular happening of this nature?

A. This relation itself is quite peculiar. Every thing is quite strange every happening is very peculiar.

Q. What is your opinion about Pir Sahib's temprament in the light of close association of twelve years.

A. Sorry to say that even I cannot claim to be fully aware of his temprament. His emotional ups and down are not properly understood by me. There may be some fortunate in the world who may fully understand him. He wants more and more time from me. You yourself can well understand how a business man like person can afford to give so much time. For this unnecessary complain he some time gets annoyed with me. I fully realise that he neither wants to become angry with me nor will he afford to do that. In this way hw expresses himself to be angry with me. Once he has remained angry with me for about four years which he observed in a successful manner. For many a times it has so happened that after meeting me in Bhalwal he has gone his s

Marfat.com

Q. First meeting and the beginning of the relations.

A. My first meetingwith Pir Sahib took place in the staff room in the company of Professor of Economics Mr. Ibrahim. Pir Sahib's friend Karim was sitting near by him. In view of this how could he be attentive to any body else? On that day he met very courtiously but I did not have any good or bad impression. Pir Sahib was the Editor of Samarbar (A college Magazine). When the time for its publication came he gave me a duty to make a contact with the other students and receive from them their written essays, articles etc., Thus we became familiar with each other. My acting in the dramas also attracted him more and more. During this period in February 1972 I accompanied with Master Warris Chishti and Hidayat Ullah went over to his native town Muazzmabad (MAROOLA SHARIF). That night we sighted the moon of Ramzanul Mubarik and so we returned from there after having the first fast. Thereafter, we used to meet in the college canteen, at Karim Dry Cleaners and at other places. In these meetings Mr. Abdus Shakoor Salim our Persian Teacher used to attend in addition to other students and teachers. Pir Sahib used to praise very much of his friend Karim. I remember his two verses :–

There is hue every where of my fine aptitude so I remember the name of my beloved Abdul Karim in this way.

Karim is a part of my soul, he is with me as inside as outside like fragrance of the Rose or like an intoxication of a beverage.

I wanted to see Karim Closely on account of these verses and things told to me. Karim was an employee of Noon Sugar Mills. One day I went to see him accompanied by a friend. On the way just fora fun sake I uttered these words that now onward I will share the burden of Karim Sahib. As soon as we reached the mill, I found Pir Sahib there. Soon after my utterance was made known to Pir Sahib. Then all the burden which hitherto was carried on by Karim Sahib I had to share permanently.

Marfat.com

**AT LEAST SOME TIME IS REQUIRED TO ANSWER QUESTIONS.**

*Question :–* **MOIN NIZAMI**

*Answer:–* **SHEIKH MOHAMMAD WAZIR SONY.**

Q. Have you been a student of Sahibzada Ghulam Nizam-uddin? What is your opinion about his method of teaching?

A. I have bee nstudying Urdu in B. A. from Pir Sahib. Often he used to lecture on the topic of love. In 'SHAKHE GUL' he himslef has said: "If we do not talk on the topic of love, then there is no topic for discussion." He seldom taught from the prescribed course books but whatever and whenever he taught he used to teach exhaustively. He used to speak very politely and he used the tone of a very low degree. Students sitting on the last benches could hardly hear him. Some times he used to leave the period. Students in the class some times talked of his mysterious characteristic personality and used to criticise him about his unu nderstand-able behaviour and interesting aptitude. I cannot say more about his teachings in the class.

Marfat.com

a son and a daughter. He is a famous Industrialist and a unique trader of Bhalwal. In a reply to my question he said, it is a secret of success in trade to weigh first and speak politely. This was his special secret and principle of trade. He is very much impressed by Hafiz Mohammad Yousuf Sadeedi on account of his art of calligraphy, personality and general behaviour and is the personality of his own choice. He has a little taste for excurisions. He has taken undertaken excursion trips to LAHORE, PAKPATTAN, SYAL SHARIF AND MURREE in the company of Sahibzada Ghulam Nizamuddin and Hafiz Mohammad yousuf Sadeedi. A couplet of sahibzada "CHUSHMANE WAZIR" is very dear to him. Most of the time he reads Islami Books. Now a days he is studying TAZKIRATUL AULIA.

Marfat.com

and after a month he embraced Islam in the presence of Mufti Habibur Rehman of Jamia Mosque Bhalwal. His relatives for some time waited for him but soon were dis-appointed when they heard the news that he has embraced Islam all their hopes were deshed away.

Wazir learned Quran from Qari Rashid Ahmad of Jamia Bhalwal. In 1958 he learned the basic knowledge of Religion from Maulvi Mohammad Ramzan of Jamia Mosque Block 4, Bhalwal. Kite flying is a hobby of his own since his childhood. He passed his Matriculation Examination from Government High School Bhalwal. Kayani Sahib was a very nice person, he was his favourite teacher and he cannot froget him. No one was his fast friend amongst school mates. Sajid Safdar was close to him on account of his class mates and next door neighbour as compared to other students. He took part in school debates, speeches, discussions and literary contests, by which his qualities have emerged of which he was not aware. He has gained a sufficient knowledge of decency and decorum. He was good as far as his education was concerned, althogh it was not an exceptional. He was fond of Badminton and was a good player of Badminton. When entered in Bhalwal college he opted the subjects of science. In 1971 after a year's study in science he became fed up of science and in disgust he left he college. In 1972 he passed his F. A. Examination in second division. In college days he had a taste for poetry, on one or two occassions he made an attempt to write poetry.

He was the President of "ART CIRCLE" which was organised by the college under the supervision of sahibzada Ghulam Nizamuddin. He took part in three historical dramas "SHEIKHU", "CHENGIZ KHAN", and "ANARKALI" as "MEHR TAJ KANIZ", "MALIKAHTIBET" and "ANAR-KALI" respectively. He was awarded the special prize in the first drama whereas he was awarded th first prize on account of his best performance. He was the aditor of "SAMARBAR" the college magazine. On 13th April 1979 he was married at Shorekot in a family of a newly Muslim. He is the father of

Marfat.com

**Sheikh Mohammad Wazir Sony.**

*Introduction by Moin Nizami*

Sheikh Wazir Sony – Born on the 2nd February, 1952 at Bhalwal in the morning on Friday, in a family of a trader newly embraced Islam. his father was the first and last person of his family at the time of embracing Islam. His father gave him the name of "Wazir Hayat". His midwife added the name of MUHAMMAD to his real name. Wazir has four maternal uncles and five paternal uncles who are not Muslims and do their business in Delhi and are the owners of a very big business house. From here no one has gone to Bharat while his cousins from Indian side occasionally come to Pakistan. Wazir has five elder brothers, Shaukat Hayat, Liaqat Hayat, Sikander Hayat, Mohammad Hayat and Khalid Hayat. All of them are elder to him. Trade is in their inheritance. None of his family members has ever done an employment. All of them are traders by profession. His father was inclined t Islam from his early age. The majority of his frinds were Muslims. In 1947 almost a hundred persons of his family migrated to India but his father remained here

Marfat.com

***Introducion***

***Interview***

*Reported by:* Mueen Nizami.

*Translated by:* Sheikh Mohammad Shamsul Haq

Marfat.com

Literary Magazine

# THE JHALAK

WAZIR-I-BENAZIR NUMBER

*Edited By:* Mueen Nizami

BHALWAL

Marfat.com

Marfat.com

# معین نظامی

المنۃ للہ کہ نازم بہ نسب نیست
اینک بشہادت طلبم لوح و قلم را

بزمِ وزیر، معظم آباد ـــ کا جواں سال خجستہ خصال، خوش فکر و خوش خیال نونہال ـــ معین نظامی ـــ ادب و شعر سے گہری دلچسپی رکھتے ہوئے فکر و نظر کی بلیغ نشو و نما کے ساتھ، مطالعۂ مذہب و تصوف کے ذریعے روحانی عروج و ارتقا کے مراحل و منازل کی طرف صراطِ مستقیم پر رواں دواں ہے۔

دُعا ہے کہ ـــ خدا عزیز کو مسلکِ لوح و قلم اور قبیلۂ اہلِ نظر میں، مقاماتِ عالیہ پر فائز المرام فرمائے۔ آمین

بھارت کے مشہور ادیب شری جگدیش چندر کے الفاظ میں

"دانش مرحوم کا ایک نوجوان شاگرد ـــ معین نظامی روزانہ ان کی خدمت میں حاضری دیتا۔ وہ بہت کم گو تھا۔ احسان صاحب کے سامنے نظریں جھکائے رہتا میں اس کی سعادت مندی سے بہت متاثر ہوا۔ ایک دِن اس کے چلے جانے کے بعد ـــ احسان صاحب نے مجھے معین کے حسب نسب اور خاندانی شرافتوں کے متعلق بتایا تو میرے دل میں پیار و شفقت کے علاوہ اس کے لیے عزت و احترام کے جذبات بھی پیدا ہو گئے۔ وہ پاکستان کے ایک معروف روحانی پیشواؤں کے خاندان کا چشم و چراغ تھا۔ احسان صاحب نے کہا ـــ "معین میں اعلیٰ شاعری کے جاندار جراثیم موجود ہیں اور مجھے یقین ہے کہ ـــ مستقبل میں اس کی شعری بلندیاں اس کی خاندانی رفعتوں سے کسی طرح کم نہیں ہونگی"

ـــ ادارہ ـــ

Marfat.com

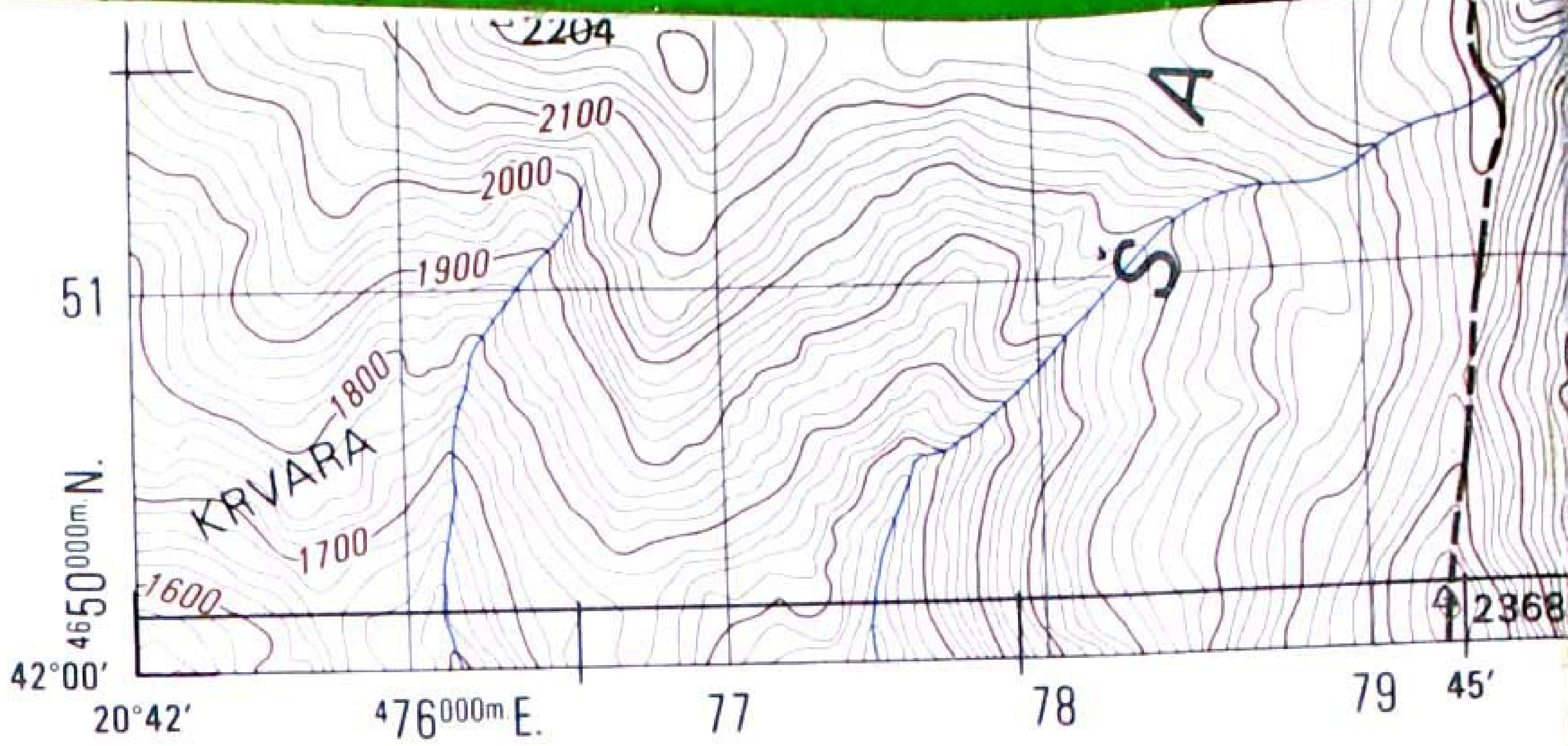


Prepared and published by the Defense Mapping Agency
Hydrographic/Topographic Center, Bethesda, MD

MAP INFORM
ΠΛΗΡΟΦΟΡΙΕΣ

## LEGEND

## ΣΥΜΒΟΛ

**POPULATED PLACES** — ΚΑΤΟΙΚΗΜΕΝΟΙ ΤΟΠΟΙ

Densely built-up areas — Πυκνά οικοδομημένες περιοχές

Sparsely to moderately built-up areas — Αραιά ως μέτρια οικοδομημένες περιοχές

**ROADS** — ΟΔΟΙ

All weather, hard surface — Αμαξιτή οδός, ασφαλτόστρωτη

divided — Διαιρεμένη

two or more lanes wide — Δύο ή περισσοτέρων ρευμάτων κυκλοφορίας

one lane wide — Ενός ρεύματος κυκλοφορίας

All weather, loose or light surface — Αμαξιτή οδός, ακυρόστρωτη

two or more lanes wide — Δύο ή περισσοτέρων ρευμάτων κυκλοφορίας

one lane wide — Ενός ρεύματος κυκλοφορίας

Fair or dry weather, loose surface — Αμαξιτή οδός, μη σκληράς επιφανείας, βατή με καλό ή ξερό καιρό

Track — Καρροποίητος οδός

Trail — Ατραπός

Route markers: International; National; Secondary — E10 55 20 — Σήμανση οδού: Διεθνής; Εθνική; Δευτερεύουσα

**RAILROADS** — ΣΙΔΗΡΟΔΡΟΜΙΚΕΣ ΓΡΑΜΜΕΣ

Single Track / Απλή γραμμή — Multiple Track / Πολλαπλή γραμμή

Normal gauge 1.44m (4'8 1/2") — Κανονικού πλάτους 1,44μ (4' 8½")

Narrow gauge — Στενού πλάτους

**BRIDGES** — ΓΕΦΥΡΕΣ

Pedestrian; Standard — Πεζογέφυρες; Κανονικές

**MISCELLANEOUS CULTURAL FEATURES** — ΑΛΛΑ ΠΟΛΙΤΙΣΤΙΚΑ ΧΑΡΑΚΤΗΡΙΣΤΙΚΑ

Tunnels — Σήραγγες

Church; Mosque; Synagogue — Εκκλησία; Τέμενος; Συναγωγή

Cemetery: Christian; Moslem; Hebrew — Νεκροταφείο: Χριστιανικό; Μωαμεθανικό; Εβραϊκό

Building; School; Hospital — Κτίριο; Σχολείο; Νοσοκομείο

Watermill; Tank; Well — Oil — Νερόμυλος; Δεξαμενή; Φρέαρ

Mine: Active; Abandoned — Ορυχείο: Ενεργό; Εγκαταλειμένο

Heliport/Helipad; Chimney — H — Λιμήν Ελικοπτέρων; Καπνοδόχος

Stone wall; Elevated tank — Λίθινο Τείχος; Ανυψωμένη Δεξαμενή

Power transformer station — Σταθμός Μετασχηματιστού Ενεργείας

Area name — TROJA — Όνομα Περιοχής

Located object — Τοποθεσία αντικείμενο

**OBSTRUCTIONS** (46m or higher)

Elevation of obstruction top above sea level — Μεμ

Elevation of obstruction top above ground level

High tension power line; Radio tower

**BOUNDARIES**

International; Marker

First-order administrative division

**RELIEF**

Bluff, cliff, escarpment

Depression

Levee; Rock outcrop

**DRAINAGE** — Perenn / Μόνιμ

Streams

Less than 25m wide

Over 25m wide

Spring

Well

Dissipating stream

Swamp

**VEGETATION**

Woodland: Coniferous; Deciduous; Mixed

Scrub; Scattered trees

Orchard; Vineyard

Row of trees

**SPOT ELEVATIONS**

Highest; Normal

Horizontal control point

# PRIZREN, *Serbia** ; THE FORMER YUGOSLAV REPUB

3179 II M709 EDITION 4-DMA

Marfat.com

Marfat.com

Marfat.com

Marfat.com

Marfat.com